عصمت کی کہانی

از

رازق الخیری

عصمت بُک ڈپو۔ دہلی

قیمت ۸ر

سلسلہ مطبوعاتِ عصمت نمبر ۱۵۵

عِصمت کی کہانی

یعنی

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ
کے زیرِ سایہ

رسالہ عِصمت کے اٹھائیس ۲۸ سال

از

رازق الخیری

یہ مضمون

جولائی ۱۹۳۶ء میں

عصمت کے "راشد الخیری نمبر" میں شائع ہوا تھا

کتابی صورت میں ستمبر ۱۹۳۹ء میں شائع کیا جا رہا ہے

عصمت بک ڈپو۔ دہلی

مطبوعہ محبوب المطابع دہلی

عِصمت کا اِجرا اور پہلا دور

۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۵ء تک

جہاں تک مجھے خیال ہے ہندوستان میں سب سے پہلا زنانہ پرچہ "اخبار النسا"
تھا۔ جو مولوی سید احمد علیہ الرحمۃ مؤلف فرہنگ آصفیہ و مصنفہ افروز بیگم
راحت زمانی وغیرہ نے دہلی سے جاری کیا تھا۔ اس کے بعد لاہور سے مولوی محبوب عالم
مرحوم نے "شریف بی بی" اور مولوی سید ممتاز علی مغفور اور ان کی اہلیہ محترمہ محمدی بیگم مرحومہ
نے "تہذیب النسواں" جاری کیا۔ کچھ عرصہ بعد شیخ عبداللہ صاحب نے علی گڈھ سے
"خاتون" کا اجرا فرمایا اور عزیزی پریس والوں نے آگرہ سے "پردہ نشین" نکالا۔ ان کے
علاوہ ممکن ہے دو ایک اور پرچے بھی نکلے ہوں۔ مگر ان کے نام میرے ذہن میں نہیں
یہ سب کوئی نصف درجن زنانہ پرچے تھے جو عصمت سے پہلے جاری ہو چکے تھے۔ اور ان
پرچوں کے جاری کرنے والوں کو جو دقتیں پیش آئی ہوں گی وہ اجرا عصمت کے وقت نسبتاً
کم ہوئی ہوں گی۔ تاہم اس زمانہ میں کسی زنانہ پرچے کے جاری کرنے میں جو جو آسانیاں اور
اور کامیابی کے جو جو ذرائع میسر ہیں وہ آج سے چوتھائی صدی قبل نہ تھے۔ دور حاضرہ میں
جو نئے زنانہ پرچے جاری ہوتے ہیں ان میں سے اکثر کے اجرا کے تحت میں شہرت ناموری
حاصل کرنے کا شوق پورا کرنے یا مالی فائدہ اٹھانے کے جذبات ہوتے ہیں۔ لیکن آج سے

اٹھائیس۲۸ برس پہلے کسی زنانہ پرچے کے جاری کرنے کے لئے باوجود اس کے کہ نہ اس قدر معقول سرمایہ کی ضرورت ہوتی تھی جتنی کہ اب ضروری ہے۔ نہ اس قدر اہتمام و انتظام کرنا پڑتا تھا جتنا اب کیا جاتا ہے پھر بھی جن جن دشواریوں اور دقتوں کا آج سے چوتھائی صدی قبل کے زنانہ پرچوں کو سامنا کرنا پڑا ہوگا وہ موجودہ زنانہ کی مشکلات سے بہت زیادہ تھیں۔ اگرچہ چار پانچ پرچے جاری ہو چکے تھے لیکن جدید تعلیم بالکل ابتدائی حالت میں تھی اور اخبارات اور رسائل کا مطالعہ کرنے والے گھرانے بڑے بڑے شہروں میں بھی بہت تھوڑے تھے۔ جن خاندانوں میں تعلیم کا کچھ کچھ چرچا ہو چلا تھا ان میں بھی ایسے افراد کی کمی نہ تھی جو اخبارات و رسائل کا لڑکیوں کی نظر سے گذرنا درست نہ سمجھتے تھے اور جو مستورات کا کاروباری خطوط لکھنا یا اپنے نام اخبارات میں چھپوانا بہت معیوب خیال فرماتے تھے۔ لڑکیوں کی تعلیم اصلاحِ معاشرت اور حقوقِ نسواں پر دو چار صاحبوں کے مضامین شائع ہو رہے تھے مگر قوم کی طرف سے ان پر پھبتیاں اڑائی جاتیں فقرے کسے جاتے اور گالیوں کا خلعت فاخرہ عطا کیا جا رہا تھا۔ ان حالات میں مالی منفعت شہرت و نام و نمود کے خیال سے زنانہ پرچہ جاری کرنے کی پچیس تیس سال پہلے کس کی شامت آئی تھی جو ہمت کرتا۔ اور میں تو سمجھتا ہوں پندرہ بیس سال قبل تک جس قدر بھی زنانہ پرچے جاری ہوئے وہ صرف اُن لوگوں نے جاری کئے جن کے دلوں میں تھوڑا یا بہت لیکن عورتوں کی ترقی یا اصلاح کا حقیقی درد موجود تھا۔ عصمت کا مطالعہ کرنے والی کئی ہزار بیبیوں میں اب شاید گنی سو بھی باقی نہیں رہیں جنہوں نے اس کا ابتدائی زمانہ دیکھا ہے اور جو باقی ہیں ان بر گزیدہ کی چند بیبیاں ہونگی جنہیں یاد ہوگا کہ جس طرح تہذیبِ نسواں خود دستکار بیبیوں کی خواہش اور اصرار پر جاری کیا گیا ہے۔ اسی طرح باوجود تعلیم نسواں کی ابتدائی حالت کے عصمت بھی مستورات کے تقاضے سے جاری کیا گیا تھا۔ اس پرچے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی اور مخزن پریس دہلی سے مخزن ہی کے معیار

کا ایک زنانہ رسالہ جاری کرنے کی خواہش خواتین کی طرف سے کیوں کی گئی۔ اس کی یہ وجہ تو کچھ زیادہ وزنی نہیں کہ دہلی میں کوئی زنانہ پرچہ نہ تھا۔ اصل سبب حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ کی بیکس اور مظلوم عورتوں کے ساتھ وہ ہمدردی تھی جس کا چرچا شروع ہو چکا تھا اور جس کا بعض کٹر سنگدل سفاک مرد مضحکہ اڑاتے تھے۔ "صالحات" اور "منازل السائرہ" جیسے اصلاحی معاشرتی ناول شائع ہو چکے تھے کہ رسالہ "مخزن" میں "خدیجہ اور نصیر" "عصمت و حسن" اور "بدنصیب کا لال" جیسے دردو اثر میں ڈوبے ہوئے افسانے چھپنے شروع ہوئے اور کچھ زیادہ مدت نہ گذری تھی کہ انکی طرز تحریر کی دلآویزی، انداز بیان کی درد انگیزی، قلعہ معلی کی بیگماتی زبان لکھنے کے کمال اور بے زبان عورتوں کے حقیقی جذبات کی ترجمانی اور اس جنس بے کس کی دلسوزی اور دردمندی کا تعلیم یافتہ طبقہ میں تذکرہ ہونے لگا۔ غالباً ۱۹۰۷ء میں شیخ عبدالقادر صاحب (اب آنریبل سر عبدالقادر ممبر انڈین کونسل) رسالہ مخزن کو لاہور سے دہلی لائے تو ان کی قدردانی والد مغفور کو مخزن پریس میں کھینچ لائی۔ وہ اس زمانہ تک سرکاری ملازم تھے۔ لیکن ملازمت میں کبھی ان کا جی نہ لگا۔ اور یہ بھی ایک دلچسپ داستان ہے کہ انہوں نے ملازمت کے سترہ اٹھارہ سال کس طرح گذارے تھے۔ لکھنے کی طرف طبعی رجحان تھا۔ طویل طویل چھٹیاں لیتے اور دو ڈھائی سال تک مخزن مرتب فرماتے رہے۔ اور ایسے ایسے کانٹے کے مضامین لکھے کہ پڑھنے والوں کو آج بھی جب ان کے عنوانات یاد آجاتے ہیں تو حافظہ زبان کے چٹخارے لیتا اور دماغ تخیل کی داد دیتا ہے۔ مخزن کے اس دور میں عورتوں کے حسن اعظم کے جو مضامین شائع ہوئے تھے اُن سے پہلے عورتوں کی مظلومیت کی تصویریں اس قدر مکمل کسی مصور قلم نے اخبار یا رسالہ میں نہ کھینچی تھیں۔ کوثر میں دھلی ہوئی قلعہ معلی کی ٹکسالی بیگماتی زبان میں لکھے ہوئے ان مضامین کے بار بار پڑھنے سے چند مستورات کو یہ

خیال پیدا ہوا کہ دفترِ مخزن سے اگر علیحدہ ایک عورتوں کا رسالہ جاری کیا جائے تو وہ عورتوں کے جذبات کی ترجمانی انکے خیالات کی اشاعت اور انکی ضروریات کو بہتر طریقے سے پورا کر سکے گا۔ شیخ عبدالقادر صاحب کی بیرسٹری کی مصروفیت تھی۔ اور حضرت والد مغفور سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے خود پرچہ نکال نہ سکتے تھے۔ مخزن پریس کا تمام کام شیخ محمد اکرام صاحب کی مستعدی اور جفاکشی، محنت اور قابلیت کی وجہ سے بہ حُسن و خوبی انجام پا رہا تھا۔ اُن کی ہمت اور حوصلہ نے اس ذمہ داری کو بھی اُٹھا لیا اور جب جون ۱۹۰۸ء میں عصمت کا پہلا پرچہ شائع ہوا تو اس شان اور اہتمام اور اس سج دھج سے کہ ہندوستانی پریس میں دھوم مچ گئی اور پہلا ہی پرچہ دیکھ کر تعلیم یافتہ خواتین اس کی گرویدہ ہو گئیں۔

اس پرچے میں حضرت والد مغفور کا صرف ایک مضمون تھا "نند کا خط بھاوج کے نام" لیکن یہ ایک مضمون ہی چمن ادب کا وہ پھول ہے جس کی مہک آج بھی دماغ کو معطر کر رہی ہے۔

پہلے ہی سال میں عصمت کو وہ مقبولیت حاصل ہو گئی جو اس سے پہلے کسی زنانہ پرچہ کو میسر نہ ہوئی تھی۔

عصمت کے مقاصد میں ایک بڑا مقصد مستورات میں مضمون نگاری کا شوق پیدا کرنا تھا اور اس زمانے میں لکھنے والیاں گنتی کی ہی چند تھیں۔ اس لئے جہاں حضرت والد مرحوم و مغفور نے اپنے مخصوص رنگ میں بڑے بڑے مؤثر مضامین تحریر فرمائے وہاں نہایت ہی عام فہم زبان میں خانہ داری، بچوں کی پرورش، حفظانِ صحت وغیرہ پر چھوٹے چھوٹے مضامین عورتوں کے فرضی ناموں سے بھی لکھے۔ آج سے پندرہ بیس برس پہلے کسی عورت کے نام سے کوئی عمدہ سا مضمون دیکھ کر عام طور پر لوگ کہا کرتے تھے کہ کسی مرد نے لکھا ہو گا اور نام ڈال دیا اپنی بیوی یا بہن یا بیٹی کا

اور یہ کہنا بعض حالات میں صحیح بھی ہوتا تھا۔ خود مجھے کئی صاحبوں نے دھوکہ دیا کہ مضمون خود لکھا اور اپنی بیٹی یا بیوی یا بہن کے نام سے بھیجدیا۔ لیکن اس قسم کی حرکتیں زیادہ مدت تک جاری نہیں رہ سکتیں اور جھوٹ بالآخر معلوم ہوکر رہتا ہے۔ اور جب قلعی کھل جاتی ہے تو جن لڑکیوں کے لئے اس غلط طریقہ سے شہرت کی کوشش کی جاتی ہے ان بچاریوں کو مستقبل میں حقیقتاً کافی نقصان پہنچ جاتا ہے۔ عصمت کے ابتدائی چند سال میں حضرت والد مغفور نے جو مضامین عورتوں کے ناموں سے لکھے تھے وہ فرضی عورتوں کے ناموں سے شائع ہوئے تھے نہ کہ اپنی کسی عزیز رشتہ دار کو مشہور کرنے کی نیت سے۔ یہ مضامین گو شائع ہوئے زنانہ ناموں سے لیکن اُن زنانہ ناموں سے جن کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ یہ مضامین بھی اگر وہ اپنے نام سے شائع کرتے تو ایک ہی شخص کے ایک ہی رسالہ میں چھ چھ سات سات مضامین کچھ اچھے نہ معلوم ہوتے۔ اُنہوں نے کسی مضمون کو "ج بیگم" کسی کو "ص۔ب" کسی کو "احمد النسا" وغیرہ فرضی ناموں سے اس لئے شائع کیا کہ عورتوں کو ایسے سیدھے سادھے مضامین پڑھ کر خود بھی کچھ لکھنے کی ہمّت ہو۔ مثلاً برتن کی صفائی پر دو صفحے کا ایک مضمون ہے جس میں برتنوں کو صاف ستھرے رکھنے کی خوبیاں اور ان کی صفائی کے مختلف طریقے جو عام طور پر گھروں میں رائج ہیں، اس طرح تحریر فرماتے ہیں جیسے ایک لڑکی دوسری لڑکی کو بتا رہی ہے۔ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد کئی لڑکیوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ ایسا مضمون تو ہم بھی لکھ سکتے ہیں، یہ بات ہی کیا ہوئی۔ تو گویا گھرداری کے متعلق بے شمار عنوانوں پر اس مضمون کو پڑھ کر بغیر کسی خاص علمی قابلیت کے مضمون لکھنے کی لڑکیوں کو ترغیب ملی۔ اور خود لکھنے کا شوق انکے دل میں پیدا ہونے لگا۔

اس قسم کے مضامین جو اُنہوں نے اپنے نام سے نہیں لکھے وہ اپنے عزیزوں کے

ناموں سے بھی نہیں لکھے بلکہ فرضی زنانہ ناموں سے لکھ کر بے شمار بیبیوں میں مضمون نگاری کا شوق پیدا کر دیا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس مقصد کے لئے بہترین طریقہ ترغیب یہی ہو سکتا تھا۔ ان کے مخصوص رنگ میں بہت سے ادیبوں نے لکھنے کی کوشش کی مگر ناکام ہوئے۔ پھر اُن بچاریوں کا کیا ذکر جن کی نہ معلومات وسیع تھیں نہ ادبی قابلیت رکھتی تھیں، اگر اکثر و بیشتر مضامین حضرت والد مغفور اپنے مخصوص طرز میں لکھتے رہتے تو مضمون نگار خواتین کی یہ کثیر جماعت آج ہرگز نظر نہ آتی۔ لڑکیوں میں مضمون نگاری کا شوق پیدا کرنے کے لئے عصمت اور محافظین عصمت نے ۱۹۰۸ء سے ۱۹۲۲ء تک یعنی میرے کمزور کندھوں پر ادارت کی ذمہ داری رکھے جانے سے قبل مختلف موقعوں پر بہترین مضامین پر انعامات بھی دئے اور اس طریقہ سے بھی خواتین میں مضمون نگاری کا شوق پیدا کیا۔ غرض عصمت کو اپنے اس مقصد میں بڑی حد تک کامیابی ہوئی یہاں تک کہ گذشتہ بیس سال میں حضرت علامہ مغفور کے مضامین اور مستقل تصانیف کے مطالعہ نے لکھنے والیوں کی ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جن کی مضمون نگاری آج طبقہ نسواں کے لئے باعث فخر ہے ان مضامین کے علاوہ جو لڑکیوں میں مضمون نگاری کا شوق پیدا کرنے کی غرض سے اُنھوں نے اپنے نام سے شائع نہیں کئے۔ حضرت علامہ مغفور نے مختلف انگریزی رسالوں کے متعدد مضامین کے ترجمے بھی کئے مگر لفظی ترجمے نہیں بلکہ انگریزی مضمون کا مفہوم اپنی زبان میں اس طرح ادا فرمایا کہ طبع زاد کا دھوکہ ہوتا ہے۔ ان مضامین کا وہ حصہ جو عام ہندوستانی گھرانوں کے لئے کچھ زیادہ مفید نہیں نظر انداز کر کے اُن مغربی خیالات کو اُردو کا جامہ پہنانے جو مشرقی لڑکیوں کے لئے مفید ہو سکتے ہیں۔ یہ مضامین خانہ داری اور پرورش اطفال پر بھی ہیں اور معاشرت و تاریخ پر بھی۔ ادب لطیف بھی ہے اور مختصر نظمیں بھی۔

مصور غم مولینا راشد الخیری دہلوی ایڈیٹر عصمت

رسالہ عصمت جاری ہونے سے چھ ماہ قبل دسمبر ۱۹۰۷ء میں

عصمت کو مستورات کے لئے کیا کیا کام کرنے تھے اور شریف ہندوستانی بیبیوں کے لئے کس قسم کے مضامین کی اس کی رائے میں ضرورت تھی اس کے متعلق یہ زیادہ بہتر ہوگا کہ کسی مضمون کا نہیں بلکہ حضرت علامہ مغفور کے لکھے ہوئے ایک اشتہار کا اقتباس دیدیا جائے جو ۱۹۰۹ء سے کئی سال تک دوسرے رسالوں میں شائع ہوتا رہا۔

"خواتین کے واسطے عصمت میں دینی اور دنیوی دونوں قسم کی فلاح و بہبودی ملحوظ ہے۔ کنواری لڑکیوں کو عصمت بتائیگا کہ کنوارپنے کی زندگی ان کو کس طرح گذارنی ہے۔ ماں باپ کا ادب۔ بہن بھائیوں کی خدمت۔ بڑوں کی تعظیم۔ چھوٹوں سے محبت ان کا فرض منصبی ہے۔ جس نئی دنیا میں ان کو شامل ہونا ہے اس کے لئے انہیں کیا تیاری کرنی ہے۔ جو جو دقتیں ان کو پیش آئیں گی ان کو کس طرح رفع کرنا ہے۔ ساس نندوں کے ساتھ ان کے تعلقات کیسے ہونے چاہئیں۔ بیاہی لڑکیوں کو خانہ داری۔ گھر کے حساب کتاب اور بچوں کی پرورش میں عصمت سے مدد ملیگی۔ عصمت انہیں بتائے گا کہ جس آمدنی کو وہ بے غل و غش خرچ کر رہی ہیں وہ کس محنت و مشقت سے پیدا کی گئی ہے۔ جو بچے قدرت نے ان کے سپرد کئے ہیں ان کی ذمہ داریاں ان پر کیا کیا ہیں۔ عصمت بتائے گا کہ انہیں گھر کس طرح کرنا ہے۔ روپیہ کا مصرف کیا ہے۔ خاندان کے ساتھ کس طرح بسر کرنی ہے۔"

یہ اقتباس ایک کسوٹی ہے جس پر عصمت کے دورِ اول ہی کو نہیں دورِ موجودہ کو بھی جس میں عصمت کا معیار بہت کچھ بلند ہو چکا ہے بخوبی پرکھا جاسکتا ہے۔ یہ باتیں قبل آعوذیوں اور دقیانوسیوں کی ہیں یا حقیقتاً ان ہی جوہروں کی ہندوستانی

بیگموں کو ضرورت ہے اس پر بحث نہیں ہے۔ کہنا صرف یہ ہے کہ صحیح تھا یا غلط بہرحال یہ تھا وہ کام جو عصمت کو انجام دینا تھا اور اس کوشش میں وہ کہاں تک کامیاب ہوا اس کا بہترین جواب ناظرین و ناظرات عصمت دے سکتے ہیں۔ البتہ یہ کہنے میں مجھے بھی تامل نہ ہونا چاہیے کہ عصمت کے مضامین نے ہندوستانی گھرانوں میں ایک انقلاب پیدا کرنا شروع کر دیا۔ عورتوں کو اپنے فرائض کا احساس ہونے لگا اور عورتوں کی مظلومیت پر مردوں کا دل پسیجنے لگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس زمانہ میں عصمت نے تعلیم نسواں کی حمایت، معاشرتی خرابیوں کی اصلاح، سلیقہ شعاری، ہنرمندی، انتظام خانہ داری، بچوں کی پرورش غرض فرائض اور حقوق، مذہب اور اخلاق تاریخ اور معلومات سن شریفت اور شمارین پر بعض ایسے ایسے معرکتہ الآرا مضامین ایسے ایسے سبق آموز مؤثر افسانے اور ایسی ایسی معنی خیز درد بھری نظمیں شائع کی ہیں جو اب تک پڑھنے والیوں کے ذہن سے فراموش نہ ہوئی ہوں گی۔ مرحومہ خجستہ اختر بانو سہروردی (رشائستہ اختر صاحبہ سہروردی کی پھوپھی) مرحومہ امیر النسا بیگم اے۔ ایچ فیضی، محترمات عطیہ بیگم اور زہرہ بیگم صاحبہ فیضی کی والدہ) مرحومہ رضیہ مسعود الحسن۔ مرحومہ سیدہ پٹنہ۔ مرحومہ ر۔ب امداد حسین۔ مرحومہ مسز نواب خدیو جنگ۔ مرحومہ زاہدہ خاتون شروانیہ (ز۔خ ش) اور مرحومات ہرہائینس بیگم بھوپال۔ بیگم جوشان۔ بیگم سچین اور عباسی بیگم کو دنیا سے اٹھے برسوں گذر چکے۔ مگر یہ وہ بیبیاں تھیں جنہوں نے چمن عصمت میں گلہائے سدا بہار کھلائے جو آج بھی دماغ معطر کر رہے ہیں۔ محترمات نذر سجاد حیدر۔ زہرہ فیضی۔ عطیہ فیضی۔ صغرا ہمایوں مرزا۔ سلطانہ بیگم۔ بیگم شیخ عبداللہ برج کماری نرندر ناتھ اور حامدہ بیگم، عصمت کے اس زریں دور کے مضمون نگاروں کی یادگار بس یہ گنتی کی چند بیبیاں رہ گئی ہیں جن میں سے اکثر اب تک عصمت کی قلمی اعانت اسی مستعدی اور استقلال کے ساتھ کر رہی ہیں۔ اس زمانہ میں باوجودیکہ

خواتین کے مطلب کے مضامین لکھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی ۔لیکن ڈاکٹر نذیر احمد مرحوم ۔مولانا حالی مرحوم ۔منشی ذکاء اللہ مرحوم حکیم اجمل خاں مرحوم حکیم ناصر نذیر فراق مرحوم ۔مولوی سید احمد مرحوم ۔عزیز لکھنوی مرحوم ۔آنجہانی سرور جہاں آبادی ۔آنجہانی نانک رام شاد بجواڑیہ ۔مرحوم شوق قدوائی ۔شیخ عبدالقادر صاحب خواجہ حسن نظامی صاحب ۔سید راحت حسین صاحب ۔پروفیسر زاہری منشی تلوک چند محروم ۔خواجہ دل محمد ۔خواجہ عشرت لکھنوی اور مولانا عرشی دہلوی کے مضامین اور نظمیں عصمت کے شاندار ماضی کی یاد دلا رہی ہیں ۔

عصمت کے مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی تھا کہ کنواری لڑکیوں اور بیاہی عورتوں کے مطلب کی کتابیں شائع کرے، اس مقصد میں بھی عصمت کو کامیابی ہوئی اور دوسرے ہی سال سے مفید کتابوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ۔

عصمت کی اشاعت کا دوسرا سال ختم نہ ہوا تھا کہ شیخ عبدالقادر صاحب نے مخزن کو لاہور لے جانے کا فیصلہ کیا ۔ اور شیخ محمد اکرام صاحب بیرسٹری کے لئے لندن روانہ ہونے کے لئے تیار ہوئے تو عصمت کے جاری رہنے کی صرف ایک صورت تھی کہ حضرت والد مغفور ملازمت سے کنارہ کشی اختیار کریں ۔ چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور سترہ اٹھارہ برس کی سرکاری ملازمت عصمت پر قربان کر دی ۔

خریداروں کو سالانہ چندہ کے معاوضہ میں جو پرچہ مل رہا تھا اس میں مضامین بھی بہت عمدہ ہوتے تھے خوبصورت بھی تھا ۔ باتصویر بھی اور اشاعت بھی قریب قریب وقت پر ہو رہی تھی ۔لیکن عصمت کی مالی حالت ناقابل اطمینان تھی ستمبر ۱۹۱۲ء کے پرچہ میں اُس وقت کے عصمت کے متعلق حضرت والد مغفور نے تحریر فرمایا تھا :-

" اس کے دور اولیں میں بھی جب میں اور شیخ محمد اکرام صاحب متفقہ کوشش کر رہے تھے اس کی اشاعت آٹھ سو سے زیادہ نہ تھی اور

جب شیخ صاحب اس کے سپید و سیاہ کی تمام ذمہ داری میرے سر پر
رکھ کر ولایت چلے گئے تو آمدنی کے مقابلہ میں اخراجات اس قدر زیادہ
تھے کہ اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ میرا آبائی مکان اس کی نذر ہوا۔ مگر
تابکے یہ کوشش بھی کارگر نہ ہوئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ دو دو
تین ماہ بعد پرچہ شائع ہونے لگا۔ نتیجہ ظاہر تھا کہ خریدار گھٹ گھٹا کر
چار ساڑھے چار سو رہ گئے۔ میں اپنی طرف سے پرچہ کو ختم کر چکا تھا
کہ رازق میاں کا نکاح ہو گیا"۔

عصمت کی جو حالت آخری دو سطروں میں بیان فرمائی تھی وہ ۱۵ء کے بعد
دورِ دوم کے آخری دو سال ۲۱ء اور ۲۲ء کی تھی مگر ابھی ۱۵ء سے پہلے کی
کئی باتیں بیان کرنی ہیں اور خصوصیت کے ساتھ تمدن کی داستان۔

تمدّن

۰۸ء سے ۱۵ء تک کے عصمت کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ
عورتوں کے فرائض پر ہر پرچہ میں متعدد مضامین شائع کیے جاتے تھے ماؤں اور بیٹیوں
ساسوں اور بہوؤں نندوں اور بھاوجوں کے حقوق اور فرائض پر اس دور کے
عصمت میں طبقہ نسواں کے محسن اعظم کے ایسے ایسے درد انگیز مضامین شائع ہوئے
ہیں جنہیں پڑھ کر دل کٹ کٹ جاتا ہے۔ البتہ حقوق نسواں پر اس زمانے کے پرچوں
میں بہت کم مضامین شائع ہوئے اور وہ اس وجہ سے کہ حضرت مصورِ غم رحمۃ اللہ علیہ
کی رائے میں حقوقِ نسواں اور آزادی نسواں کے مضامین کے لئے مردانہ رسالے
موزوں تھے۔ اور زنانہ رسالوں میں لڑکیوں کے سامنے لڑکیوں کی حمایت لینا مناسب
نہ تھا۔ چنانچہ نومبر ۱۵ء کے عصمت میں تحریر فرمایا تھا:۔

"عصمت نے شروع کے تقریباً چار سال تک ملک اور قوم کی جو خدمت کی اس کے مفصل بیان کی ضرورت نہیں۔ اس نے اپنی دلچسپی سے ہزاروں دل فتح کر لئے۔ ایک دُنیا اس کی مداح تھی وہ ہندوستان کے زنانہ پرچوں میں سب سے بہتر تھا۔ وہ لڑکیوں ہی میں ہر دلعزیز نہ تھا بلکہ مرد بھی اس کے گرویدہ تھے۔ میری طبیعت نے یہ گوارا نہ کیا کہ میں بیویوں کو آزادی اور حریت کی ترغیب دوں۔ خود لکھنا تو درکنار میں نے دوسروں کے ایسے مضامین بھی عصمت میں شائع کرنے سے پرہیز کیا جو بغاوت پیدا کریں اور لڑکیوں کو اپنے حقوق کی طلبی پر آمادہ کریں۔ گو زمانہ کی رفتار مجھ کو اجازت نہ دیتی نہ تھی مگر میرا دل مجھ کو ملامت کرتا تھا اور کہتا تھا کہ کمبخت یہ بیچاریاں اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے پیدا کیگئی ہیں یا ان مظلوموں کے بھی کچھ حقوق مردوں کی ذات پر ہیں میں اپنی کمزوری پر نادم تو ضرور تھا مگر یہ نہ چاہتا تھا کہ لڑکیوں کی حمایت ان کے منہ در منہ لیکر ان کو شیر کر دوں۔ مگر دل کی آگ کسی طرح نہ بجھنی تھی اور ضمیر کہتا تھا کہ بے ایمانی نہ کرو"۔

اس خیال کو جنوری سنہ ۲۶ء کے عصمت میں بھی ان الفاظ میں ظاہر فرمایا تھا:۔

'زنانہ پرچے میں لڑکیوں کے سامنے ان کے حقوق کی حمایت کمزور کو شہ دیکر چڑھانا ہے۔ لڑکیوں کے سامنے انہیں حقوق کے بیان کرنے کی ضرورت ہے جو مردوں کے ان کی ذات پر عاید ہو رہے ہیں۔ ان کے حقوق کا مطالبہ مردانہ پرچوں ہی میں مناسب ہوگا"۔

المختصر حقوق نسواں کی حمایت میں ایک مردانہ رسالہ کی ضرورت وہ پوری طرح محسوس فرمارہے تھے، مگر سب سے بڑا مسئلہ روپیہ کا تھا۔ مخزن پریس لاہور بیچ چکا تھا

اور دو پرچوں کے لئے اپنا پریس ہو جانے میں زیادہ سہولت تھی۔ لیکن پریس کے لئے سرکاری خزانہ میں نقد روپیہ بطور ضمانت داخل کرنا ضروری تھا۔ دادی اماں مرحومہ اور والدہ معظمہ کا کئی ہزار کا زیور اور ایک مکان عصمت کی نذر ہو چکا تھا اور تمدن کے لئے کیا تمدن پریس کے لئے بھی اب اتنا روپیہ نہ تھا جو کافی ہوتا۔ دو متضاد کیفیتوں کی کشمکش تھی۔ حقوق نسواں کی حمایت کا جذبہ اور بزرگوں کی اس نشانی کی حفاظت کی ضرورت جہاں باپ دادا کے نال گڑے تھے۔ دل عورتوں کی زدہ حالت پر رو رہا تھا۔ مگر دماغ مالی حالت خراب ہونے سے روک رہا تھا۔ ایمان کہتا تھا کہ ان مصیبت ماریوں کی حمایت میں جو کچھ بھی قربان ہو جائے وہ کم ہے۔ مگر مشاہدات کو سامنے لا کر عقل بتا رہی تھی کہ خدمتِ نسواں کا یہ جذبہ اپنے جگر کے ٹکڑوں کے افلاس کا سبب نہ بن جائے۔ دل و دماغ کی اس جنگ میں بالآخر دل نے فتح پائی اور جو عظیم الشان آبائی مکان باقی رہ گیا تھا وہ تمدن پر قربان کر دیا گیا!

اپریل ۱۹۱۱ء میں تمدن کا پہلا پرچہ شائع ہوا۔ اسے دیکھتے ہی نقادانِ ادب کہہ اٹھے کہ مخزن کے لاہور جانے سے دلی کو جو نقصان پہنچا تھا، تمدن بہت خوبی کے ساتھ اس کی تلافی کر دے گا۔ تمدن نے پہلے ہی سال میں ملک کے مایۂ ناز اہل قلم کی اعانت حاصل کر لی۔ مولوی نذیر احمد مرحوم۔ منشی ذکاء اللہ مرحوم، مولوی سید احمد مرحوم مؤلف فرہنگ آصفیہ، مولوی احمد علی شوق قدوائی مرحوم لکھنوی۔ مولانا شاد مرحوم عظیم آبادی۔ مولانا عزیز مرحوم لکھنوی۔ قاری سرفراز حسین مرحوم۔ مولوی اشرف حسین مرحوم۔ حکیم ناصر نذیر فراق مرحوم۔ سید رؤف علی بیرسٹر مرحوم۔ ڈاکٹر مشرف الحق مرحوم۔ مولانا صباء بانی مرحوم۔ شہزادہ مرزا محمد اشرف صاحب گورگانی مرحوم۔ آہ آسمانِ ادب کے کیسے کیسے درخشندہ ستارے تھے جو بساطِ تمدن پر اپنی بہار دکھا کر ڈوب گئے۔ جس پرچے کو ایسے ایسے باکمال مستقل مضمون نگار میسر تھے اس کی کامیابی میں کسے شبہ

ہو سکتا تھا۔ لیکن صرف اس وجہ سے کہ تمدن نے اپنے سب سے بڑے مقصد حقوق نسواں
پر مسلمان مردوں کو متوجہ کرنے کی کوشش جاری رکھی۔ جہاں تمدن کے بلند معیار
علمی و ادبی مضامین پر واہ واہ ہوئی۔ وہاں حقوق نسواں کا مطالبہ ایک پھانس
تھی جو "تمدن کے قدر دانوں" کے دلوں میں کھٹکتی رہی اور اس لئے اور صرف اس لئے
تمدن بجائے وہ مقبولیت حاصل کرنے کے جس کا باعتبار ادب وہ مستحق تھا، اُن
لوگوں کی نگاہ میں بھی، جو بانیٔ تمدن کی تحریر کے مداح تھے، مردود بنا۔ مالی مشکلات
کا ہر ہر قدم پر دو سال تک سامنا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۹۱۳ء میں پرچے کی اشاعت میں
بے قاعدگی شروع ہوگئی اور خریداروں کی تعداد میں اور بھی کمی ہونے لگی، لیکن
جس سر میں مسلمانوں سے مظلوم عورتوں کے شرعی حقوق دلوانے کی دھن سمائی
ہوئی تھی وہ باوجود مایوسیوں اور ناامیدیوں کے اپنی کوششوں میں منہمک
رہا، تمدن کی تھوڑی سی کہانی بانیٔ تمدن ہی کی زبان سے سنئے:۔

"حقوق نسواں کا جگر خراش افسانہ، جس نے راتوں کچوکے دئے اور
دنوں تیر برسائے اور جو اس وقت تک کلیجہ مسوس رہا ہے پیش نظر تھا
اور اب موت ہی ہے ایک چیز جو مظلوم بیویوں کے مصائب کا درد دل سے
دور کردے گی۔ مبارک ہوگا وہ وقت جب جسد خاکی روح کو الوداع
کہہ کر پیوند زمین ہوگا۔ مصیبت راحت ہوگی اور دکھ سکھ سے بدلے گا۔
ظالم شوہروں کی حکومت سے قبر کی میٹھی نیند میں دل ناآشنا ہوگا۔
اور مسلمانوں کے غصب حقوق کی خبریں عالم جنت میں کانوں تک نہ
پہنچیں گی مگر موجودہ طرز معاشرت کی پھانس جس کا ہر لفظ اسلام
کا مضحکہ اڑا رہا ہے تا دم واپسیں سینہ میں کھٹکنے کی جو تھی وہ خلش
جو قدرت کو عدم سے وجود میں لائی اور مالی و جانی، جسمانی و روحانی دنیا

بھر کی تکالیف کا انبار سر پر رکھ گئی مگر مدتوں کا تجربہ کمر ہمت توڑ رہا تھا، ناکامی کی تصویریں قدم قدم پر تھیں۔ حقوق نسواں کا مطالبہ زہر دے کر شہد پینے کی توقع تھی۔ لیکن دل کبھی کبھی یہ صدا بھی دیتا تھا کہ بہنوں کے بھائی اور بیٹیوں کے باپ ہم آہنگ ہو کر ہاتھ بٹائیں گے۔ اور خدا کی ہزارہا مخلوق میں چند صورتیں ایسی بھی نکلیں گی جو نرم نرم تکیوں اور گرم گرم بچھونوں پر لیٹ کر شاید ان مصیبت ماریوں پر بھی دو آنسو بہائیں جو جاڑوں کی پہاڑ سی راتیں پھٹے ہوئے گودڑوں میں گذار رہی ہیں۔ بھرے پرے گھروں کی بیٹیاں اور اللہ آمین کی بچیاں جن کے قدموں کے نیچے بیسیوں آنکھیں بچھاتے تھے اپنوں سے کوسوں دور مصیبت کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ مسلمانوں نے ان بیگموں کو لونڈیاں بنا دیا۔ اور ان بدنصیبوں کو اتنا حق بھی نہ دیا کہ زبان سے اُف کرسکیں . . . . جن کی گھٹیوں میں حکومت کا چسکا اور جن کی آنکھوں پر خود غرضی کا پردہ پڑا ہوا تھا ان کے پتھر دلوں تک فریاد پہونچانے کی یہی صورت تھی کہ ان کی دلچسپی کے سامان فراہم ہوتے، بزم عیش منعقد ہوتی . . . . اسی محفل میں کوئی بھولا بھٹکا فریادی اپنی بپتا بھی کان میں ڈالنی شروع کر دیتا اور یہ سمجھتا کہ یہ بیج ایک نہ ایک دن پھل لائیں گے اور یہ گریہ و زاری خالی نہ جائے گی۔ اور یہ سلسلہ آہ و بکا جاری رہا تو اسی خاک سے ایسے ایسے لوگ بھی اٹھیں گے جو مظلوم کی آہ سے لرزا ٹھیں گے۔

تمدن اسی اصول پر جاری ہوا اور گل و بلبل کی چاشنی دے کر اپنا کام انجام دیتا رہا۔

تمدن مارچ ۱۳ء

حامیانِ حقوقِ نسواں اب تو ہر شہر میں کچھ نہ کچھ نکل آئیں گے۔ مگر جب تک سچی تڑپ نہ ہوگی دو سطریں بھی اس رنگ کی نہیں لکھی جا سکتیں۔ وہ جو ازل ہی سے مُسلمان عورت کے غصب کردہ حقوق کا حقیقی درد لے کر دُنیا میں تشریف لائے تھے اُنہوں نے آج سے قریباً چوتھائی صدی قبل مطالبہ حقوقِ نسواں پر دل کے یہ آنسو اوراقِ تمدن پر گرائے تھے، آج آزادیٔ نسواں کا غلغلہ ہے اس وقت حقوقِ نسواں کا مطالبہ کرنے والا کافر اور مردود تھا، بدتر سے بدتر الفاظ کا خلعت ان کی اس قوم نے جس پر وہ قربان تھے انہیں عطا کیا۔ لیکن ان کی ذات تک یہ عنایتیں محدود ہوتیں تو بھی غنیمت تھیں تمدن کو اپنی دُھن سے باز رکھنے میں کوئی امکانی کوشش چھوڑی نہ گئی۔

"ان پریشانیوں کا خاتمہ ہوا، اب آنکھ کھلی تو عجب سماں دیکھا تمدن حیرت سے ایک ایک خریدار کا منہ تک رہا تھا جن سے بہت کچھ امیدیں وابستہ تھیں وہ بھی منہ پھیر رہے تھے . . . . . آنکھ یہ نیرنگیاں بہت سی دیکھ چکی اور اب خواب ابدی کی منتظر ہے۔ دل خوشی اور رنج کے بہت سودے کر چکا اور اب سکونِ مستقل کا جویا ہے مگر دماغ جب تک کام کے قابل ہے اپنے خبط میں منہمک رہیگا اور اس سے پہلے کہ تمدن ان ارمانوں کو پورا کرے اگر کان یہ سُن لیں کہ تمدن کی فریاد نے ایک عورت کی بھی زندگی سنوار دی تو عمر بھر کی محنت ٹھکانے لگی . . . .
مگر دل اس خیال سے باغ باغ ہے کہ ایک وقت ضرور ایسا آئیگا جب یہ خون اپنا رنگ لائے گا یہ بیج بارآور ہوں گے اور ہماری مظلوم بیبیاں اپنے گھروں میں سچ مچ کی ملکہ ہونگی"۔ تمدن مارچ سنہ ۱۳ء

تمدن کی اشاعت پہلے ہی سال میں بارہ سو تک پہنچ گئی تھی اور عصمت اس وقت

توسو چھپ رہا تھا۔ تمدن کا ادبی معیار کافی بلند تھا۔ اگر حقوق نسواں کی حفاظت وحمایت تمدن کا مقصد اوّلیں نہ ہوتا تو شروع سے آخر تک اس کے مضامین اس قدر دلچسپ اور مفید معلومات سے پُر ہوتے تھے کہ اگر اس کی اشاعت دو ڈھائی ہزار بھی ہو جاتی تو تعجب انگیز نہ ہو سکتی تھی، پہلا سال پھر غنیمت تھا مگر خریداروں پر اچھی طرح روشن ہو گیا تھا کہ تمدن ہماری حکومت کمزور کرنے کے لئے جاری کیا گیا اور ہمارے عیش و آرام میں خلل ڈالنے کے لئے وجود میں آیا ہے۔ خریداروں کی تعداد دوسرے ہی سال سے گھٹنی شروع ہوئی حالانکہ تمدن کا دوسرا سال بھی اور تیسرا سال بھی باعتبار مضامین پہلے سال سے زیادہ کامیاب تھا۔ خریداروں کی تعداد کا ماہ بماہ گرنا بے قاعدگی کا سبب بنا۔ اب عصمت کا بے قاعدگی کی لپیٹ میں آنا لازمی اور ضروری تھا۔ یہانتک کہ ۱۳ء کے آخر میں دونوں پرچوں کی اشاعت ساڑھے سات سات سو رہ گئی۔ ۱۴ء میں اشاعت اور گری اور حقوق نسواں کی حمایت پر چاروں طرف سے لعن طعن بدستور ہوتی رہی مگر خدا کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اُن کے استقلال اور استقامت میں فرق نہ آیا۔ اس موقعہ پر ایک اقتباس اس "معذرت" کا بھی دیتا ہوں جو فروری ۱۴ء میں لکھی گئی اور تاخیر اشاعت کے سبب دسمبر ۱۳ء کے پرچہ میں شائع ہوئی تھی:۔

"۔ ۔ ۔ مگر کیا کیا جائے تمدن کی توقعات پوری نہ ہوئیں اور صرف اسوجہ سے کہ وہ حقوق نسواں کا مطالبہ کرتا ہے غرض نہ ہو سکا، رفتار زمانہ متقاضی ہے کہ اب تمدن اس خیال کو دور کرے وقت کا ساتھ دے اور اپنے کام سے کام رکھے۔ مگر ان معصوم بچیوں کی تصویر آنکھ کے سامنے ہے ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ جنکی مصیبت ناک زندگی پر در و دیوار رو رہے ہیں۔ جو میکے میں ناز و نعم سے پلیں اور سسرال پہونچتے ہی بے دام کی غلام بن گئیں، سوکن کا جلاپا، ساس نندوں کے طعنے، شوہر کی حکومت، کس کس کا رونا

رو دیا جائے، ایک نہیں سینکڑوں ہزاروں لڑکیاں ایسی موجود ہیں جن کے
نازک دل شادی نے چھلنی کر دئے، طرّہ یہ کہ اگر ایک مردانہ پرچہ حقوقِ نسواں
کی آواز منہ سے نکالے تو لوگ اس کا گلا گھونٹنے کو تیار ہو جائیں" تہذیب
کے نام سے جو مضمون لکھا گیا اس میں حقوقِ نسواں کے متعلق جو الفاظ
اس قلم سے نکلے اور ان پر جو کچھ شورش ہو رہی ہے اس کو دیکھ کر خدا کی
شان یاد آتی ہے۔ جس مذہب نے علی الاعلان یہ حکم دیا تھا کہ عورتیں
مردوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرینگی جیسا مرد اُن کے ساتھ۔ آج
اس کے پیرو ایسے شخص کو جو صرف ان حقوق کا مطالبہ کرتا ہے جو شرع
اسلام نے عطا کئے مار ڈالنے کی دھمکی دیتے ہیں"۔

گالیاں تو مل ہی رہی تھیں اب مار ڈالنے کی بھی دھمکیاں دی جانے لگیں روحانی
اذیت بھی ہو رہی تھی اور مالی نقصانات بھی حد کو پہنچ چکے تھے مگر جو لگن دل میں لگ
رہی تھی وہ بدستور لگی رہی۔ یہانتک کہ ۱۹۰۸ء شروع ہوا تو تمدن کے خریدار ڈھائی سو سے
زیادہ نہ رہے تھے، ترقی کے مواقع اب بھی موجود تھے، عارضی طور پر بھی اگر رنگ بدل دیتے
تو تمدن پھر عصمت سے آگے نکل جاتا۔ لیکن پرچہ کا بند ہو جانا اور اس کے ساتھ
بہت سی اُمنگیں بہت سی آرزوئیں جو اجرا تمدن کے وقت دل میں پیدا ہوئی تھیں
ان کا جنازہ نکل جانا اس سے بہتر تھا کہ وہ تمدن کی روش بدل دیتے۔ ہر قسم کی مشکلات
کا مقابلہ کر رہے تھے مگر پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دی۔ اسی حالت میں تمدن نکل
رہا تھا کہ ان کے بچپن کے نہایت عزیز دوست قاری سرفراز حسین صاحب مرحوم کے
خلف اکبر بھائی عباس حسین قاری نے ضد کی کہ تمدن انہیں دیدیا جائے۔ مروت گھٹی
میں پڑی ہوئی تھی، دوسرے دل کی پاسداری اور لحاظ قدرت نے اس درجہ طبیعت میں
ودیعت کیا تھا کہ کسی کی بات رد نہ فرماتے تھے اور کسی کی دل آزاری ان سے نہ دیکھی جاتی

تھی۔ دوسروں کے فائدے کے سامنے اپنا نقصان تک بھول جاتے تھے ایک دو نہیں درجنوں کتابیں جن کے اوپر تلے کئی کئی ایڈیشن شائع کر کے لوگوں نے ہزاروں روپیہ کمائے محض مروت میں دیدیں۔ تمدن کی اشاعت لاکھ گر گئی تھی لیکن اس پر ہزاروں روپیہ لٹایا تھا، خون جگر سے اسے سینچ رہے تھے اور بہت سی توقعات اس سے وابستہ تھیں۔ اسکی علیحدگی معمولی بات نہ تھی۔ مگر جب قاری صاحب نے یقین دلایا کہ تمدن اپنے اصلی مقصد یعنی حقوق نسواں سے غافل نہ رہے گا تو رضامند ہو گئے۔

"میں نے تمدن پر جس قدر محنت کی ہے میرا ہی دل جانتا ہے مشکل تھا کہ میں اس کو جدا کروں مگر بالک ہٹ میرے ارادوں پر غالب آگئی، اور میاں عباس آج تمدن لئے لکھنؤ براج رہے ہیں۔ ناظرین تمدن سے مجھے امید ہے وہ عزیز عباس سلمہٗ کو مجھ سے زیادہ مدد دیں گے تاکہ وہ زبان اردو اور حقوق نسواں کی معقول خدمت کے قابل ہو"۔ تمدن جولائی ۱۵ء

تمدن کی علیحدگی کا ایک اور بھی سبب تھا:۔

"گذشتہ دو سال میں عصمت و تمدن دونوں پرچوں کی مصروفیت نے مجھ کو اس قابل نہ رکھا کہ میں دوسرے کام کی طرف توجہ کرسکتا۔ کئی کتابیں جن میں سیدۃ النسا (الزہرا) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں ادھوری رہ گئیں"۔

تمدن کی رخصت اور عصمت کے مستقبل کے متعلق نومبر ۱۵ء کے عصمت میں جو مضمون تحریر فرمایا تھا اس کا ایک حصہ بھی تمدن کی کہانی ختم کرنے سے قبل نقل کر دینا ضروری ہے:۔

"تمدن پہلا مردانہ پرچہ تھا جس نے حقوق نسواں کی حمایت میں آواز بلند کی اس وقت کوئی مردانہ پرچہ حقوق نسواں کا حامی قوم میں موجود نہ تھا اور مجھے یقین کامل ہے کہ آئندہ بھی دس بیس برس تک موجود نہ ہوگا۔ تمدن کا

شائع ہونا تھا کہ مجھ پر چاروں طرف سے لعن طعن شروع ہوئی میں نے اپنی طرف سے منت سماجت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ رو رو کر کہا گڑ گڑا کر عرض کیا کہ بیٹیوں کے باپ، بہنوں کے بھائی ماؤں کے بیٹے، قوم کی بچیوں کو اپنی بیٹیاں سمجھیں۔ مگر حقوق نسواں کی حمایت ایسا گناہ کبیرہ تھا کہ میرا قصور معاف نہ ہو سکا۔ یہ میری غلطی ہی سہی کہ میں نے تمدن کے آخری سانس تک اپنی بدنصیب بہنوں کی ہمدردی نہ چھوڑی۔ مگر مجھ کو چار برس میں چار شخصوں کے سوا ایک متنفس بھی ایسا نہ ملا جو تمدن کے وجود کو ضروری سمجھتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عصمت کی آمدنی تمدن پر صرف ہوئی وہ کافی نہ ہوئی تو جو کچھ میرے پاس رہ گیا تھا وہ بھی تمدن کی نذر ہوا۔ مجھ پر اس چار سال میں کیا گذری اس کے بیان کی ضرورت نہیں مگر اپنی بہنوں کو یقین دلاتا ہوں کہ میں عصمت کی تاخیر اشاعت میں بے گناہ ہوں۔۔۔۔ میں اپنی محترم بہنوں اور بچیوں سے التجا کرتا ہوں خواہ ان کو ایک خریدار بھی میسر نہ ہو مگر وہ حقوق نسواں کی حمایت میں ایک مردانہ پرچہ ضرور جاری رکھیں"۔

خدا کی بے شمار رحمتوں کے پھول حضرت علامہ مغفور کے مزار مقدس پر برستے رہیں ان کی پیشین گوئی صحیح نکلی۔ جس طرح تمدن سے پہلے حقوق نسواں کے لئے کوئی مردانہ پرچہ جاری نہ ہوا تھا اسی طرح دس کیا بیس سال گذر گئے تمدن کی علیحدگی کے بعد بھی کوئی مردانہ پرچہ صرف اس مقصد کو لے کر نہ نکلا۔ تمدن کو رخصت فرمانے کے بعد انہوں نے خواتین کو مشورہ دیا تھا کہ

"خواہ کچھ ہو حقوق نسواں کی حمایت میں ایک مردانہ پرچہ ضرور جاری رکھیں"۔

مجھے اس وقت ٹھیک یاد نہیں کہ کب اور کس موقع پر مگر اتنا خیال ضرور ہے کہ

غالبًا دس بارہ سال بعد یہی الفاظ پھر دوہرائے تھے لیکن کوئی اللہ کا بندہ آگے نہ بڑھا اور یوں تو ہر قسم کے رسالے حشرات الارض کی طرح پیدا ہوتے رہے مگر حقوق نسواں کے لئے کوئی مردانہ رسالہ نہ نکلا۔ گو میرے زمانۂ ادارت سے حقوق نسواں پر ہر پرچہ میں کافی مضامین شائع ہو رہے تھے۔ تاہم فرائض نسواں کے مقابلہ میں عصمت میں حقوق نسواں پر زیادہ زور نہ دیا جاتا تھا لیکن وہ چاہتے تھے کہ دو مسئلے جلد سے جلد طے ہو جائیں جن کی ضرورت پر پہلے بھی دو ایکدفعہ خصوصیت کیساتھ متوجہ کیا تھا۔

"میں ناظرین عصمت کو دو نہایت ضروری باتوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلی چیز خلع ہے اور دوسری چیز ان بدبخت لڑکیوں کے حقوق کا مطالبہ جو ترکۂ پدری سے محروم کر دی گئی ہیں۔ مجھے اُمید ہے ۲۷ء میں عصمت ان دونوں مسئلوں پر پوری توجہ کریگا اور مبارک ہوگا وہ وقت جب مسلمان عورت یہ دونوں حقوق حاصل کر لے گی۔ میں مسلمانوں کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر وہ ارتداد کا اصلی علاج کرنا چاہتے ہیں تو مسئلہ خلع پر توجہ کریں"۔ عصمت جنوری ۲۷ء

غرض علیحدگی تمدن کے بعد بیس سال گذر گئے اور حقوق نسواں کا مقصد لیکر کوئی مردانہ رسالہ نہ نکلا تو دنیا سے تشریف لے جانے کے لئے بیمار پڑنے سے دس بارہ روز قبل نومبر ۳۵ء کی ابتدائی تاریخوں میں اس موضوع پر مجھ سے گفتگو فرمائی اور میں تمدن جاری کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ قاری عباس حسین صاحب اسوقت حیدرآباد میں تھے انہیں خط لکھا وہ دسمبر میں دہلی آئے اُن سے تمدن کے حقوق رجسٹری وغیرہ لئے مگر اس سے پہلے کہ تمدن کا اعلان کیا جاتا بانی تمدن کا سایہ ان بدنصیب خواتین ہند کے سر سے اُٹھ گیا جن کے حقوق کی حفاظت اور حمایت میں تمدن پھر جاری کیا جا رہا تھا۔ عصمت کی تاریخ میں تمدن کا مفصل ذکر ایک نہایت اہم باب تھا تمدن کی رخصت کے ساتھ عصمت کا دورِ اوّل بھی ختم ہو گیا۔

دوسرا دور

سنہ ۱۹۱۵ء سے سنہ ۱۹۲۲ء تک

تمدن کی رخصت کے بعد حضرت والد مغفور نے پھر عصمت پر توجہ فرمانی شروع کی۔ مگر ابھی پرچہ اپنی شان پر نہ پہنچا تھا کہ لڑکیوں کے لئے ہفتہ وار رسالہ کی ضرورت محسوس ہوئی اور انہوں نے "سہیلی" جاری فرمایا۔ عصمت کے خریداروں کی تعداد ترقی کر رہی تھی بے قاعدگی اشاعت بھی جاتی رہی تھی۔ اور سہیلی بھی مقبول ہو رہا تھا کہ عصمت پر ایک اور مصیبت ٹوٹ پڑی۔

سنہ ۱۹۱۶ء کی آتشزدگی

مارچ سنہ ۱۶ء میں دفتر میں اس غضب کی آگ لگی کہ آٹھ سال کا سارا سرمایہ جل کر راکھ ہو گیا۔

"خدا کی مرضی ہماری کوششوں پر غالب تھی مارچ کا پرچہ مکمل ہو چکا تھا کہ رات کے ابتدائی حصہ میں آگ لگی اور تمام کوشش اور سرمایہ جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ آنکھیں تمام محنت برباد ہوتے دیکھ رہی تھیں مگر دل مشیت ایزدی پر صبر کر رہا تھا۔ اس نقصان نے کمر ہمت توڑ دی تھی اور بہ ظاہر اس کی تلافی کی کوئی صورت نہ تھی نہ امید ہے کہ ہوگی مگر بندے کا کام کوشش ہے اور اس کی تکمیل خدا کے ہاتھ"۔

(عصمت مارچ سنہ ۱۶ء)

جنگ عظیم کا اثر

سہیلی بند ہوا کتب خانہ ختم ہوا اور بڑے بڑے قیمتی مسودے راکھ کے ڈھیر سے زیادہ نہ رہے۔ اِدھر آتشزدگی نے ہوش اُڑا دیئے تھے اُدھر جنگ عظیم کی وجہ سے کاغذ کی قیمت پر آگ پڑ رہی تھی۔ بڑے اچھے اچھے کامیاب پرچے کاغذ اور دوسرے سامانِ طباعت کی گرانی نے بٹھا دئے تھے۔ ہندوستان ہی کے نہیں ولایت کے اخبارات تک چیخ اُٹھے تھے۔

"کاغذ کی قیمت جو آندھی اور مینہ کی طرح بڑھ رہی ہے بیسوں اخبار وں کو صفحۂ ہستی سے ناپید کر چکی۔ جو باقی ہیں ان میں سے بھی بعض دم توڑ رہے ہیں۔ عصمت کیواسطے اس وقت دوہری مصیبت کا سامنا ہے اِدھر آگ نے مدتوں کا سرمایہ جلا کر خاک کر دیا اِدھر کاغذ کی گرانی دیکھ کر ہوش اُڑے جاتے ہیں۔" عصمت مئی ۱۶ء

سنہ ۱۶ء کی حالت

عصمت کا پنپنا بظاہر مشکل تھا مگر خدا کی مدد شامل حال تھی۔ دو دو ماہ کا اکٹھا پرچہ شائع ہو رہا تھا اور وہ بھی بہت معمولی کاغذ پر۔ خریداروں کو سالانہ چندے کے وی۔پی گئے تو آدھے سے زیادہ واپس آئے۔ کاغذ کی گرانی سے ہندوستانی پرچوں میں کسی نے چندے بڑھائے کسی نے کاغذ فنڈ کھولا مگر عصمت نے آتشزدگی اور گرانی کاغذ کے سبب خریداروں کو کوئی مالی تکلیف نہ دی۔ البتہ ان سے یہ توقع تھی کہ اس کی ۸ سالہ خدمات خریدار فراموش نہ کرینگے لیکن وی۔پی کی واپسیوں نے اس توقع کو بھی چھو چھو کر دیا۔ المختصر سنہ ۱۶ء میں خریدار ۳۰۰ بھی نہ رہے اور جو رہے تھے وہ بھی

عصمت، کی بے قاعدگی اشاعت اور خراب کاغذ کی وجہ سے خوش نہ تھے۔ عصمت کے لئے سنہ۱۶ء نہایت منحوس سال تھا۔ پرچہ شائع کرنے کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی تو آمدنی ضرورتوں کے لئے کسی طرح بھی کافی نہ تھی۔ کاتب کو لکھنے کیلئے پرچہ دیا جاتا تو مضامین ہونے چاہیئے تھے وہ نہ تھے۔ لیکن خدا کا اس پرچہ سے بہت کچھ کام لینا تھا روپیہ کا بھی انتظام ہوا اور مضامین کا بھی۔ اب وہ زمانہ تھا کہ میں کچھ ہوشیار ہو گیا تھا۔ تعلیم اور کھیل سے جو وقت بچتا تھا عصمت پر صرف کرتا تھا۔ آہ سنہ۱۶ء کے وہ دن آنکھوں میں پھر رہے ہیں۔ ان کے مخصوص رنگ کے مضامین تو بہت کم ہوتے تھے مگر معمولی سے معمولی مضمونوں میں جو انہوں نے اپنے نام سے شائع نہیں کئے، فقرے کے فقرے بہت موثر تھے۔ ان کی وہ خفگی بھی یاد ہے کہ میںنے کوئی لفظ اچھی طرح نہیں سنا یا سمجھ میں نہیں آیا تو فرماتے" بس قدر کھ دو قلم۔ میں خود لکھ لونگا۔ تمہیں کس جاہل نے جماعت چڑھا دیا کہ معمولی سا لفظ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ پہلے سنو اس کے بعد لکھو"۔ اور اگر کوئی لفظ مجھے معلوم نہ ہوتا اور ان کی زبان سے نکلتے ہی میں پوچھنے لگتا کہ" اس کے کیا معنی ہوئے"۔ تو فرماتے" پہلے مضمون ختم کرلو پھر جو پوچھو گے بتا دوں گا۔ جب بڑے ہوگے اور لکھو گے اس وقت معلوم ہوگا کہ اس طرح بار بار سوال کرنے سے خیالات بٹ جاتے ہیں۔ اب آگے کیا خاک لکھواؤں بس رکھدو پھر لکھنا"۔ اور پھر میں معافی مانگتا اور کہتا اچھا یہ مضمون تو ختم کروا دیجئے اور وہ مضمون ختم کرا دیتے۔ اس طرح کئی ماہ تک اور قریب قریب روز ہی کوئی نہ کوئی مضمون لکھواتے رہے۔

سنہ۱۷ء

فروری سنہ۱۷ء میں پرچہ کی اشاعت وقت پر آگئی اور اشاعت میں بھی ترقی ہونے لگی کہ انہوں نے تصنیفات کا سلسلہ شروع کر دیا، کتابوں کا بہت معقول معاوضہ

لیتے تھے، سنہ ۱۷ء میں کتابیں لکھنی شروع کیں تو نصف درجن سے زیادہ لکھ دیں ان سے جو آمدنی ہوئی اس کا بڑا حصہ عصمت پر صرف کیا گیا۔ پرچہ بھی پابندی وقت سے شائع ہوتا رہا۔ اشاعت میں غیر معمولی ترقی شروع ہوئی اور سنہ ۱۷ء جب رخصت ہوا تو عصمت پھر بارہ سو چھپ رہا تھا۔

سنہ ۱۸ء میں

فروری سنہ ۱۸ء میں مسلم لیڈیز کانفرنس کا سالانہ اجلاس لاہور میں ہوا تو اس کا ایک رزولیوشن یہ تھا کہ کوئی مسلمان عورت اپنی لڑکی کسی ایسے شخص کو نہ دے جس کی پہلی بیوی موجود ہو۔ سوکن کے جلاپے اور تعدد ازدواج کے خلاف حضرت والد مغفور سے زیادہ کسی شخص نے نہیں لکھا۔ فرمایا کرتے تھے اور کئی مضمونوں میں بھی لکھا تھا کہ مسلمان ایک کو تو دونوں وقت پیٹ بھر کر روٹی کھلا اور ڈھنگ کا کپڑا پہنا نہیں سکتے وہ دوسری شادی کس برتے پر کرنے کا خیال کر سکتے ہیں۔ کسی مضمون میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ دو دو اور تین تین نکاحوں کے لئے شرط ہے انصاف کی اور برابر کا سلوک فطرت انسانی کے خلاف ہے کہ کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں ہوتے، اور جو سنت نبوی فرما کر دوسرا نکاح کرتے ہیں اس کے متعلق بھی ان کے خیالات ان کی تصانیف میں موجود ہیں کہ سرکار دو عالمؐ کے نکاح نفس کے غلبہ کی وجہ سے نہیں اسلام اور صرف اسلام کے لئے کئے گئے تھے۔

المختصر پہلی بیوی کی موجودگی میں مرد کا دوسرا نکاح وہ نہایت ہی ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے اور پہلی بیوی کی خدمات کے بدترین معاوضہ سے تعبیر فرماتے تھے اب جو انہوں نے اس رزولیوشن کی سخت مخالفت کی تو تعلیم یافتہ خواتین کو بے انتہا تعجب ہوا کہ ہمارے وہ محسن جو قریباً چوتھائی صدی سے ہمارے حقوق کی حمایت میں

مردوں سے لڑ رہے ہیں۔ انہوں نے کس طرح ہماری بہتری کے ایک معاملہ کی مخالفت کر دی۔ غضب یہ ہوا کہ اس جلسہ میں کچھ ہندو اور عیسائی عورتیں بھی موجود تھیں انہوں نے بھی خوش ہو ہو کر اور تالیاں بجا بجا کر اس تجویز کی تائید کی۔ اخبارات میں یہ مفصل رُوداد پڑھ کر انہیں بہت رنج ہوا کہ مسلمان بیبیوں نے غیر مسلموں سے اسلام کا مضحکہ اُڑوایا۔ اسی کیفیت میں انہوں نے ایک نظم لکھی جو "صدائے راشد" کے عنوان سے مارچ ۱۸ء کے عصمت میں شائع ہوئی۔ اسی نظم کا شائع ہونا تھا کہ عصمت کی مخالفت کی دبی ہوئی چنگاریاں جن دلوں میں موجود تھیں وہ بھڑک اٹھیں تعلیم جدید اور مغربی تہذیب کے پھولوں سے جو بیبیاں آراستہ تھیں انہیں نشہ دیکر اُبھارا گیا اور عورتوں کے محسن اعظم کی ترقی یافتہ عورتوں کی طرف سے مخالفت کی گئی۔ حضرت علامہ مغفور کا نو سال بعد جنوری ۲۷ء کے عصمت میں عصمت کے متعلق ایک مضمون شائع ہوا تھا جس کی چند سطریں اس سلسلہ میں یہاں نقل کرتا ہوں ان سے مذکورہ بالا رزولیوشن کی مخالفت کی وجہ اچھی طرح سمجھ میں آ جائے گی:۔

"۔ ۔ ۔ ایک دوسرا اعتراض عصمت پر یہ بھی ہے یہ خواہ عصمت پر سمجھنا چاہیئے یا میری ذات پر کہ عصمت بھی اور میری تصانیف بھی لڑکیوں کو غلامی کی ترغیب دیتی ہیں اور ایک زنانہ پرچہ میں میرے یا عصمت کے خلاف اس قسم کے مضامین شائع ہوئے تھے مگر خدا کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ عصمت سخت سے سخت نقصان اُٹھانے پر بھی دائرہ صداقت سے باہر نہ نکلا۔ ناظرین عصمت کو وہ وقت یاد ہوگا جب لیڈیز کانفرنس نے کثرت ازدواج کے خلاف ۱۸ء میں رزولیوشن پاس کیا تو گو تمام زنانہ پرچے کانفرنس کے ہمنوا ہو گئے

مگر عصمت نے باوجود اس کے کہ میں خود کثرت ازدواج کو مسلمانوں کے
واسطے زہر سمجھتا ہوں اس رزولیوشن کی مخالفت اس واسطے کی کہ یہ
نص قرآنی کے خلاف تھا"۔

حضرت علامہ مرحوم نے کیوں مخالفت کی تھی اس کا جواب انہیں کے الفاظ میں
آپ ملاحظہ فرما چکیں ان سطروں میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ۔

"عصمت سخت سے سخت نقصان اُٹھانے پر بھی دائرہ صداقت
سے باہر نہ نکلا"۔

ان الفاظ کی صراحت اس موقعہ پر ضروری سمجھتا ہوں۔ عصمت کو دس سال
سے سہم نقصانات ہو رہے تھے ۱۹۱۸ء میں جو نقصان پہنچا وہ یہ تھا کہ ایک اسلامی ریاست
سے عصمت کو سات آٹھ سال سے بہت معقول مالی مدد مل رہی تھی لیکن عصمت نے
اس کے معاوضہ میں تعریفی مضامین کبھی شائع نہیں کئے۔ کچھ تو یوں بھی امداد کا مستحق نہ
سمجھا جا رہا تھا۔ اس رزولیوشن کی مخالفت اُن کی مخالفت سے تعبیر کی یا کرائی گئی اور نتیجہ
یہ نکلا کہ عصمت کو جو مالی مدد مل رہی تھی وہ بند کر دی گئی۔ دو تین روز بعد جب میں نے یہ
حکم امتناعی پڑھا تو افسوس کرنے لگا۔ حضرت والد مغفور نے اس کی وجہ بیان فرمائی
تو میں نے عرض کیا "آپ نے خواہ مخواہ مخالفت کی۔ بیٹھے بٹھائے یہ نقصان ہو گیا" بہت
ہنسے۔ فرمایا "کیا ان کے بھروسہ پر عصمت چل رہا ہے۔ روپیہ دینے والا تو خدا ہے۔
عصمت غلط راستہ پر نہیں ہے۔ ایک دروازہ بند ہوا تو دس دروازے اور کھل جائیں گے"۔

میں نے ابا جان کی روحانی قوت کے عجیب عجیب تماشے دیکھے ہیں۔ خدا ہی جانتا
ہے کہ اس سے اُن کے کیسے معاملے ہوتے تھے۔ اسی سال کا ذکر ہے کہ خیال تھا نہ کوئی
کوشش پنجاب ٹکسٹ بک کمیٹی نے اُردو نصاب کی زبان کی تصحیح کا کام بھیج دیا۔ یہ شاید
پانچ یا آٹھ کتابیں تھیں۔ ابا جان کی یہ کچھ عادت ہی تھی کہ فرمائشی کاموں میں خواہ کتنے

ہی ضروری ہوتے اور کتنا ہی معاوضہ ملتا۔ وقت بہت لگادیتے تھے۔ دو دن کا کام ہوتا تو مہینوں ٹالتے رہتے اور جب مجبور ہی ہو جاتے کہ پیچھا چھوٹنا ممکن نہیں اس وقت کرتے تھے اور جب شروع کر دیتے تو پھر جلد ختم کر دیتے تھے ٹھیک یاد نہیں کہ دو مہینے لگے یا چار مہینے مگر جو کام کیا وہ آٹھ دن سے زیادہ کا نہ تھا۔ اس کا جو معاوضہ انہوں نے لیا وہ اس مجموعی رقم سے بھی دوگنا تھا جو مذکورہ بالا ریاست سے سات سال میں عصمت کو ملی تھی!

۱۹ء کی آتشزدگی

۱۷ء میں عصمت خاصہ پنپ گیا تھا ۱۸ء میں حالت اور بہتر ہو گئی تھی، متواتر مصائب پریشانیوں اور کثیر مالی نقصانات کے سبب پرچہ کی ظاہری شان قایم نہ رہنے سے جو نفاست پسند طبیعت رکھنے والی بہنیں عصمت سے ناخوش ہو گئی تھیں وہ پھر عصمت کی قدر افزائی فرما رہی تھیں کہ ۱۹ء میں پھر ایک آفت آئی۔ اب یہ تو خدا ہی کو معلوم ہے کہ پریسمین کی شرارت تھی یا کلیہ کی غفلت کا نتیجہ کہ سرشام آگ لگی اور پریس سے چل کر نو بجے شب تک دفتر اور گودام تک پہنچی، اوسط درجہ کا کتب خانہ پھر قایم ہو چکا تھا وہ نذر آتش ہوا۔ کتابوں کے کئی مسودے تھے وہ راکھ کا ڈھیر ہوئے۔ پریس کا حقیقی معنوں میں خاتمہ ہو گیا۔ پرانے پرچوں کا قیمتی ذخیرہ جو پچھلی آتشزدگی سے اس لئے محفوظ رہ گیا تھا کہ علیحدہ کمرہ میں تھا وہ اور دفتر کا فرنیچر سب کچھ تباہ ہوا۔ مگر اس حالت میں بھی ابا جان نے ہمت نہ ہاری، اور جس طرح ممکن ہوا پرچہ شائع کرتے رہے جائداد، نقد روپیہ، زیور غرض ان کے اور اماں جان کے پاس جو کچھ بھی تھا سب اصلاح نسواں اور حقوق نسواں کے لئے عصمت و تمدن کی نذر کر چکے تھے، اب عصمت کو جاری رکھنے کے لئے پھر کافی سرمایہ کی ضرورت تھی، طبیعت کی کیفیت

یہ تھی کہ جم کر زیادہ دیر نہ بیٹھ سکتے تھے، تھوڑی دیر لکھا اور ٹہلنے لگے یا کسی سے باتیں کرنے لگے، مگر اس زمانہ میں اُنہوں نے عصمت کی بہتری کے لئے اپنی طبیعت پر جبر کر کے کتابوں پر کتابیں لکھ ڈالیں اور ان کے معاوضہ سے نیم مردہ عصمت کو اپنے پاؤں پر کھڑا کر دیا۔

۱۹ء کے بعد

یہ وہ زمانہ تھا کہ میں کالج میں پہنچ چکا تھا اور دفتر کا کچھ نہ کچھ کام کر رہا تھا، مضمون نگاروں کے خطوط کے جوابات بالعموم میں ہی لکھتا تھا مضمونوں کے انتخاب میں بھی میرا ہی دخل تھا، کتابت کی ہوئی کاپیاں بھی میں پڑھتا اور دفتر کے انتظام میں بھی حصہ لیتا تھا۔ اور ابا جان (خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے) عصمت کی مالی حالت درست کرنے کے لئے نئی نئی کتابیں لکھ رہے تھے۔ جو وقت وہ عصمت پر صرف فرماتے اس میں کتابیں لکھ کر خواتین کی بھی بہت زبردست خدمات انجام دیں، ادب اُردو میں بھی بیش بہا اضافہ فرمایا اور عصمت کی مالی حالت بھی درست کر دی۔ اگست ۱۹ء سے عصمت کا کاغذ لکھائی چھپائی سب چیزیں عمدہ ہونے لگیں۔ مضامین بھی زیادہ دلچسپ چھپنے لگے اور پرچہ بھی پابندی وقت سے شائع ہونے لگا۔ خریداروں کی تعداد میں پھر اضافہ شروع ہوا یہاں تک ۲۰ء کی پہلی سہ ماہی میں اشاعت پھر ایک ہزار سے اُوپر پہنچ گئی۔

۲۱ء میں حضرت والد مغفور نے تربیت گاہ بنات قائم فرمائی اور ہمہ تن اس میں منہمک ہو گئے، مجھے کالج کی تعلیم کے علاوہ کالج کے جلسوں اور کھیلوں میں بھی حصہ لینا پڑتا تھا، ان کی مدرسہ کی مصروفیات بڑھیں اور میری کالج کی دلچسپیاں۔ ایک اور صاحب کی خدمات حاصل کی گئیں۔ مگر سودمند ثابت نہ ہوئیں اور ۲۲ء میں اشاعت گرنی شروع ہوئی تو تربیت گاہ کی ترقی کے سلسلے میں ایک ہفتہ وار پرچہ کی

ضرورت محسوس ہوئی۔ عصمت کا ہفتہ وار ایڈیشن سہیلی جاری کیا گیا۔ اس نے بہت جلد ہر دلعزیزی حاصل کر لی۔ دسمبر ۱۹۲۲ء میں میرا نکاح ہوا اور فروری ۱۹۲۳ء میں مرحومہ خاتون اکرم دلّی تشریف لائیں۔ اب ترقی عصمت کی طرف سے عصمتی بہنوں کو بہت کچھ اطمینان ہو گیا۔ مارچ میں ہم لوگ ایک ہفتہ کیلئے بڑی ہشیرہ محترمہ راشدہ بیگم صاحبہ کے پاس گنگا پور چلے گئے۔ مجھے بی اے کے امتحان کی تیاری کرنی تھی اور کتابیں سب دلّی میں تھیں پرچے کی اشاعت میں دیر ہو رہی تھی مگر ہوئی شدنی' دلّی بالخصوص کوچہ چیلان میں طاعون کا زور ہوا' دو ہفتے بعد وبا کم ہو گئی' میں نے کتنا ہی سر پٹکا مگر ابا جان کی محبت نے ایک روز کیلئے بھی دلّی آنے کی اجازت نہ دی۔ مہینہ سوا مہینہ بعد جس رات کو ہم دلّی پہنچے اسکی صبح کو امتحان کا پہلا پرچہ کرنے اس حالت میں گیا' کتابیں دیکھے پانچ ہفتے ہو گئے تھے شروع ہی میں میری طبیعت کچھ خراب ہو گئی تھی کہ پھر سب گنگا پور گئے خیال تھا ایک ہفتہ بعد آجائیں گے مگر کئی مہینے لگ گئے۔ ابا جان نے اسی زمانہ میں اپنی طبیعت کے قطعی خلاف مدرسہ کے لئے پہلی مرتبہ دورہ کیا' واپس آئے تو بیمار پڑ گئے' طبیعت درست ہوئی' دہلی واپس ہوئے تو چار ماہ سے دونوں پرچے نہ نکلے تھے۔ اس وقت عصمت ہی کے لالے پڑ رہے تھے' سہیلی بند کرنا پڑا' بعض ہمدرد حضرات نے مشورہ دیا کہ عصمت بے قاعدگی کیوجہ سے بدنام ہو گیا ہے۔ مناسب ہے کوئی اور ماہوار رسالہ جاری کیا جائے یا ہفتہ وار سہیلی ہی کا اجرا ثانی ہو مگر خاتون مرحومہ کی رائے سے متفق ہو کر ابا جان نے اسے پسند نہ کیا اور فیصلہ یہ ہوا کہ میں اور خاتون مرحومہ ملکر عصمت ہی کی ترقی کی کوشش کریں۔

دوسرے دور کا خلاصہ

۱۹۱۶ء سے اپریل ۱۹۲۳ء تک میرا طالب علمی کا زمانہ تھا اور گو میں خود مختار اڈیٹر یا منیجر نہ تھا تاہم عصمت' کا بہت سا کام ابا جان مجھ سے لے رہے تھے عصمت

کا یہ دَور اتنا شاندار نہ تھا جتنا دورِ اوّل تھا۔ عصمت کی ظاہری حالت کسی سال بہتر ہو جاتی اور کسی سال معیار سے گر جاتی کبھی مسلسل کئی کئی ماہ تک پرچہ پابندی وقت سے شائع ہوا کبھی دو دو ماہ کے اکٹھے پرچے چھپے۔ بعض جلدیں باتصویر رہیں بعض بے تصویر۔ کسی سال مضامین کے اعتبار سے پرچہ اچھا نکلا تو کسی سال مضامین کی طرف زیادہ توجہ نہ کی گئی۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود عصمت کی جو روش شروع میں تھی اسمیں فرق نہ آیا۔ اُس زمانہ کا کسی سال کا پرچہ اُٹھا کر دیکھ لیا جائے عصمت کے مقاصد ہر پرچہ میں نظر آئیں گے، عورتوں کے فرائض کیا ہیں، وہ کس طرح اپنی زندگی کو خوشگوار بنا سکتی ہیں۔ بہ حیثیت بیٹی۔ بہن۔ بیوی۔ ماں۔ بہو۔ نند اور بھاوج کیا کیا ذمہ داریاں ان پر عائد ہوتی ہیں۔ وہ اپنا گھر کس طرح جنت کا نمونہ بنا سکتی اور کس طرح اپنے شوہر کا دل مسخر کر سکتی ہیں۔ بچوں کی پرورش میں مشورے۔ روپیہ کے خرچ میں ہدایتیں غرض مختلف حیثیتوں میں عورت کے فرائض پر ہر پرچہ میں بہت معقول تعداد میں مضامین نکلے اور خشک اور اُوتی مضامین نہیں کہ طبیعت اُکتائے یا دل گھبرائے بلکہ پیرایۂ بیان کی دلآویزی کے سبب مضمون ختم کرنے کو جی چاہے گا اور پھر خواتین ہی کو ان کے فرائض پر متوجہ نہیں کیا گیا ہے اس زمانہ میں بھی حقوق نسواں پر ہر پرچہ میں مؤثر مضامین شائع ہوئے ہیں۔ لیکن وہ آزادی نسواں جس میں مرد و عورت کی امتیاز مشکل ہو جاتے اسے عصمت نے ہمیشہ ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور اُس زمانہ میں بھی اس مضمون کے کافی مضامین شائع کئے۔ مغرب کی کورانہ تقلید کی عصمت نے ہمیشہ مخالفت کی لیکن دوسروں کی خوبیوں کا بھی معترف رہا اور اس کے ساتھ ہی اسلامی روایات زندہ رکھنے پر زور دیا اور انہیں اُصولوں پر عصمت نے ترقی نسواں اور بیداری نسواں کی کوششیں کیں۔ اس دَور کے اُن پرچوں میں بھی جن کا کاغذ خراب اور معمولی لکھائی چھپائی تھی اور بے وقت شائع ہوئے عصمت اپنے اُصولوں سے نہ ہٹا اور

اصل رُوح ہمیشہ موجود رہی۔ اس دوسرے دَور میں بھی عصمت نے مضمون نگاری کا شوق پیدا کرنے کی کوشش جاری رکھی اور بہت سی ہونہار لکھنے والیاں پیدا کیں جنیں سے اکثر نے مستقبل میں کامیاب مضمون نگار کی حیثیت سے نام پیدا کیا عصمت کی بعض پُرانی لکھنے والیوں کے علاوہ اس دَور میں جن کے مضامین خصوصیت کے ساتھ شائع ہوتے رہے ان میں خاتون اکرم مرحومہ۔ منجھو بیگم مرحومہ (م۔ب لکھنوی) مرحومہ نجمہ امتیاز جہاں۔ محترمات لطیف بیگم۔ حمیدہ بیگم۔ صغرا بیگم۔ سیدہ اصغری بیگم۔ مسز کاظم زہرہ اختر بیگم۔ رضیہ بیگم۔ زہرہ سلطانہ۔ نصیرہ شمس۔ زاہدہ خاتون (ز۔ مرادآبادی) بلقیس بیگم قرۃ العین۔ اُم الحلیمہ مریم۔ آسیہ بائی۔ مسز مجیب الرحمٰن خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

اِس دَور میں نئے نئے نسوانی پرچے بھی جاری ہو رہے تھے اور پُرانے پرچے بھی اپنا کام کر رہے تھے۔ دو ایک نے عصمت سے اُلجھنا چاہا۔ ایک معاصر نے ابّا جان کی تصانیف کے خلاف مسلسل کئی مضامین شائع کئے اور ان الفاظ تک کی اشاعت جایز سمجھی جو کم سے کم ایک زنانہ اخبار کی شان سے گرے ہوئے تھے، یہ مضامین کس جذبہ کے تحت میں اور کس نیت سے شائع کئے گئے تھے۔ اس کا جواب ابّا جان نے بھی نہیں دیا اور میں بھی اس کے متعلق سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ یہ محسن کشی کی بدترین مثال تھی +

تیسرا دَور

سنہ ۱۹۲۳ء سے سنہ ۱۹۲۵ء تک

سنہ ۲۳ء میں جب یہ طے ہوا کہ مجھے اور خاتون اکرم مرحومہ کو عصمت کی حالت ٹھیک کرنی ہے اور تمام ذمہ داریاں ہم دونوں کے سپرد کر دی گئیں تو میری اس تجویز سے ابا جان نے بھی اتفاق کیا کہ جب تک پرچہ اپنی اصلی شان پر نہ آ جائے اور پابندیٔ وقت سے نہ نکلنے لگے خاتون اکرم مرحومہ کا نام عصمت کی اڈیٹری میں نہ ڈالا جائے دو دو ماہ کے پرچے مار مار تیار کئے گئے اور خدا خدا کرکے مارچ سنہ ۲۴ء میں اشاعت وقت پر آئی۔ اگر خاتون مرحومہ میری مدد نہ کرتیں تو میں کچھ نہ کر سکتا تھا۔ انہوں نے بہتر سے بہتر مضامین خود لکھے، اپنی سہیلیوں سے لکھوائے۔ روپیہ صرف کیا۔ دفتر کا انتظام درست کیا غرض جو جو کچھ کر سکتی تھیں سب ہی کچھ کیا۔ اس محنت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اشاعت نے غیر معمولی ترقی کرنی شروع کی۔ مجھے اکتوبر سنہ ۲۴ء کے وہ دو دن اور دو راتیں ہمیشہ یاد رہیں گی جب انہوں نے اور میں نے مل کر جنوری سنہ ۲۵ء سے عصمت کو بہت بلند پیمانے پر شائع کرنے کی ایک مکمل سکیم بنائی اور اس کے مطابق تیاریاں شروع کیں۔ ابا جان نے بھی پسندیدہ نظروں سے اس اسکیم کو ملاحظہ فرما کر حوصلہ افزائی فرمائی۔ چونکہ میں فضول خرچ سمجھا جاتا تھا اس لئے انہوں نے یہ ترمیم کی کہ یکم نومبر سے تمام آمدنی اور خرچ خاتون کے سپرد ہو۔ نومبر کا پہلا ہفتہ خاتون مرحومہ کا بہت مصروفیت کا گذرا تھا ۷ نومبر کو انہیں بخار چڑھا اور ۱۴-۱۵ نومبر کی درمیانی شب وہ دنیا سے رخصت ہو گئیں اور عصمت کو اور طبقہ نسواں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ گیا ترقی عصمت کے تمام ارادے خاک میں مل گئے، زندگی کی بہت سی امنگوں کا خاتمہ ہو گیا

کہاں کی تعلیم کس کا پرچہ اپنا ہی ہوش نہ رہا۔ ابّا جان بڑے بڑے ارمانوں سے خاتون کو لائے تھے، ان کی آرزوئیں مٹی میں مل گئیں۔ خدمت گذار اور فرمانبردار ہونے چند دنوں ہی میں قدر دان خسر کا دل موہ لیا تھا، خاتون کا یہ صدمہ ابّا جان کو ایسا پہنچا کہ دم واپسیں تک نہ گیا۔ اِدھر خاتون کی مفارقت ابدی اُنہیں تڑپا رہی تھی اُدھر میری حالت کچھ سے کچھ ہو رہی تھی۔ دل پر چھریاں چل رہی تھیں۔ مگر زبان پر حرف شکایت نہ تھا۔ اُنہوں نے میرا غم غلط کرنے کی جو جو کوششیں کیں جب یاد کرتا ہوں تڑپ اُٹھتا ہوں ایک دولت مند سے دولت مند اور زیادہ سے زیادہ محبت کرنے والا باپ جو جو کچھ کر سکتا ہے ابّا جان نے میرا دل بہلانے کیلئے اس سے بھی بہت زیادہ کیا مگر میری حالت کسی پہلو درست نہ ہوتی تھی۔ اسی طرح سات ماہ گذر گئے اور پرچہ شائع نہ ہوا۔ ابّا جان کوشش یہ فرما رہے تھے کہ میں عصمت کا کام شروع کروں تاکہ میرے خیالات بٹنے لگیں اس کوشش میں بالآخر انہیں کامیابی ہوئی دو تین مہینے میں پچھلے تمام پرچے شائع کئے گئے اور جب ستمبر ۱۹۲۵ء کا پرچہ شائع ہوا تو خریداروں کو وی پی گئے ہوئے دو سال کے قریب ہو گئے تھے اس موقع پر شاید یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ ہندوستانی اخبار نویسی کی تاریخ میں شاید اور کسی پرچہ کا نام نہ لیا جا سکے جس نے سالانہ چندہ وصول ہوئے بغیر دو سال تک اپنے خریداروں کو مفت رسالہ دیا ہو۔ اس عرصہ میں کس قدر روپیہ اُٹھا ہوگا۔ اس کا اندازہ ہر شخص نہیں کر سکتا۔ لیکن باوجود اس قدر ایثار کے جب اکتوبر میں وی پی بھیجے گئے تو دھڑا دھڑ واپس آئے۔ یہ واپسیاں ہمیشہ کے لئے عصمت کا خاتمہ کرنے کیلئے کافی تھیں۔ دو سال میں جس قدر روپیہ اُٹھایا گیا تھا سب بیکار ثابت ہوا۔ جو محنت کیگئی تھی سب اکارت گئی۔ خاتون کی زندگی میں پرچہ ڈیڑھ ہزار چھپنے لگا تھا۔ اب پورے چار سو خریدار بھی نہ رہے تھے۔ لیکن ابّا جان (خدا اُن کی پاک رُوح کو ابدی سکون عطا فرمائے) خوب اچھی طرح میرے دل میں بٹھا چکے تھے کہ خاتون کی رُوح

کی خوشی ترقی عصمت ہی سے ہو سکتی ہے۔ وی پی کی واپسیوں نے ہمت پست نہ ہونے دی، وہ حوصلہ افزائی فرماتے رہے اور جنوری سنہ ۲۶ء سے عصمت کے ایک نئے دَور کا آغاز ہوا۔

سنہ ۲۵ء میں عصمت کی اشاعت میں جو تاخیر ہوئی تھی اس کے سلسلہ میں ستمبر کے پرچہ میں حضرت والد مغفور کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس کا ایک حصہ یہ تھا۔

"... میں ایک اکیلا آدمی کیا کیا کر سکتا ہوں۔ مدرسہ کا انتظام کروں، روپیہ فراہم کروں، کتابیں لکھوں۔ رسالہ کو دیکھوں۔ ایک انار و صد بیمار ... میں سمجھ رہا تھا کہ یہ جو میری دوسری مصروفیتوں کے باعث پرچہ میں وقتاً فوقتاً تاخیر ہوتی ہے اس کی تلافی رازق دلہن مرحومہ کے آجانے سے ہو جائے گی اور میں رسالہ سے بالکل سبکدوش ہو جاؤنگا مگر خدا کو یہ منظور نہ ہوا، ان کے بعد رازق میاں نہ پرچے کی طرف توجہ کر سکے نہ بی اے کے امتحان میں شریک ہو سکے۔ تاہم میں عصمت سے غافل نہ تھا مگر مجبور تھا خدا خدا کر کے اس صدمہ کا اثر قانونِ قدرت کے بموجب نسبتاً کم ہوا تو ۲۶ جون کو میرا منجھلا بچہ ۱۸ سال کی عمر میں رخصت ہوا۔ اس صدمہ نے میری کمر توڑ دی۔ مگر عصمت اور مدرسہ دونوں چیزیں میرے دَم کے ساتھ رہیں اور اب جو کچھ پرچہ پر محنت کی گئی اور صرف ہوا ہے وہ ناظرین کے سامنے ہے۔ اس موقعہ پر مجھے یہ کہہ دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ستمبر سنہ ۲۵ء کا پرچہ روانہ ہونیکے بعد ناظرین عصمت کے پاس دو سال کے پرچے اس طرح پہنچیں گے کہ ان سے ایک پیسہ بھی چندہ نہیں لیا گیا۔"

سالگرہ نمبر سنہ ۲۳ء میں حضرت والد مغفور کی تصویر شائع ہوئی اور عصمتی

بہنوں نے اس پر اظہار مسرت فرمایا اور عصمت کی ترقی پر ان کو بھی مبارکباد کے خطوط روانہ فرمائے تو ستمبر ۱۹۱۳ء کے پرچہ میں ان کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں خاتون مرحومہ کی یاد میں اور عصمت کی ترقی کے سلسلے میں تحریر فرمایا تھا۔

" دُلہن نہیں فرشتہ تھی جس نے دلّی آتے ہی پہلا کام مردہ عصمت کو زندہ کرنے کی کوشش کی۔ میں نے اس موقع پر یہ اختلاف کیا کہ عصمت کی بے قاعدہ اشاعت کی بدنامی اس قدر کافی ہو چکی ہے کہ اس کا زندہ رہنا محال ہے بہتر ہے کہ دوسرا نام رکھو مگر اس نے میری اس رائے سے اتفاق نہ کیا۔

میری رائے میں اپنی صنف کی محبت اور بہبودی کا مادہ زیادہ سے زیادہ کسی عورت میں اتنا ہی ہوگا جتنا مرحومہ خاتون اکرم میں تھا اس نے رات رات بھر عصمت کے واسطے مضامین لکھے جن لکھنے والیوں سے اس کے تعلقات تھے انہیں مجبور کیا، سہیلیوں کو ترغیب دی، اور یہ اُسی کا دَم تھا کہ مردہ عصمت کو قبر میں سے نکال لائی۔ اس کو جہیز میں جو زیور اور روپیہ ملا تھا اس سے مُدد لی اپنا آرام قربان کیا اور جو ارادہ کیا تھا اُسے پُورا کر دکھایا۔ ایک موقع پر جب کئی روز سے متواتر بارش ہو رہی تھی اور پرچہ کی تکمیل کی ہر توقع ناکام ہو چکی تھی۔ اس نے دفتریوں کو رات بھر اپنے سامنے بٹھا کر کام لیا اور صبح پرچہ روانہ کیا۔ غرض ۳۰ تاریخ جو مقرر تھی ناغہ نہ ہونے دی۔ میں آج بھی یہی رائے رکھتا ہوں کہ اگر خاتون مرحومہ کی شخصیت کا اثر نہ ہوتا تو ناممکن تھا کہ ڈیڑھ سال میں اس کی اشاعت تگنی ہو جاتی۔ سعد سلمہ شاید چھ مہینہ کا تھا کہ اس روپیہ کی مقدار میرے علم میں

آئی جو مرحومہ کا عصمت پر صرف ہوا۔ میں نے کہا بیٹی تم نے اپنے بچہ کو اس روپیہ سے محروم کیا۔ وہ ہنسی اور کہنے لگی ابا جان میرا واسطہ عورتوں سے پڑا ہے وہ میری خدمات فراموش نہ کرینگی۔ آپ کی اور رازق صاحب کی عمر خدا دراز کرے روپیہ کا بہترین مصرف صرف یہی ہے اگر میں مر بھی گئی تو میری بہنیں میرے بچے کو میری جگہ سمجھیں گی ۔

خاتون اکرم مرحومہ کی اُمید صحیح تھی اور اس کا اندازہ درست، میں دیکھ رہا ہوں کہ جب دَورہ پر جاتا ہوں تو مرحومہ کی عصمتی بہنیں انتہائی محبت سے اپنی جنتی بہن کے بچہ کا استقبال کرتی ہیں"۔

چوتھا دَور

سنہ ۱۹۲۶ء سے سنہ ۱۹۳۵ء تک

سنہ ۲۶ء جنوری سنہ ۲۵ء سے عصمت کو جس معیار پر شائع کرنے کی اسکیم اکتوبر سنہ ۲۴ء میں جنت مکانی خاتون اکرم نے اور میں نے تیار کی تھی اس کے مطابق جنوری سنہ ۲۵ء سے نہیں جنوری سنہ ۲۶ء سے پرچہ نکلنا شروع ہوا۔ عصمت کی مشہور مضمون نگار خواتین کئی سال بعد سنہ ۲۶ء سے پھر بزم عصمت میں تشریف لائیں اور نئی نئی مضمون نگار خواتین پیدا کرنے کی کوشش عصمت نے بدستور جاری رکھی مضامین کا معیار پہلے سے بلند کردیا گیا، اور ہر پرچہ میں خواتین کے مطلب کے بہتر سے بہتر مضامین زیادہ سے زیادہ موضوعوں پر درج کرنے کی کوشش کیگئی۔ جہاں مضامین کی دلچسپی پیش نظر رہی وہاں اس کا بھی لحاظ رکھا گیا کہ پرچہ زیادہ سے زیادہ مفید اور کارآمد ہو مختلف عمر اور مختلف مذاق کی خواتین کی دلچسپی کا سامان قریب قریب ہر پرچہ میں دیا گیا۔ اور ترتیب رسالہ میں چند خاص امور کا خیال رکھا گیا اور باوجود ان تمام باتوں کے سب سے بڑی بات پیش نظر یہ رہی کہ عصمت کی روش میں فرق نہ آئے، جنوری سے دسمبر تک سال کے بارہ پرچے نہایت پابندی وقت سے شائع ہوئے، تصاویر خاص طور پر ہر پرچہ کے لئے بنوائی گئیں۔ کاغذ چھپائی لکھائی کے اعتبار سے بھی سنہ ۲۶ء کے پرچے دَورِ اوّل کے پرچوں سے کم نہ رہے۔

المختصر سنہ ۲۶ء میں عصمت اس شان سے نکلا کہ پرانے خریداروں کو دَورِ اول کے ابتدائی تین سال یاد آگئے۔ خدا کی مدد پرچہ کے ساتھ تھی۔ سال ختم بھی نہ ہوا تھا کہ عصمت کی اشاعت دو ہزار ہوگئی۔

جنوری سنہ ۲۷ء کے پرچے میں حضرت والد مغفور نے عصمت کے سنہ ۲۶ء پر تبصرہ فرمایا تھا، اس کا ایک ٹکڑا یہاں نقل کرتا ہوں، سنہ ۲۶ء کی کہانی ان کی زبانی کچھ اور ہی لطف دے گی :-

"میں نے جس وقت تربیت گاہ بنات کی بنیاد ڈالی ہو تو احتمال نہیں یقین تھا کہ میری مصروفیت عصمت پر اچھا اثر نہ ڈالے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مدرسہ کی نت نئی ضرورتیں اور ہر لمحہ کی مصروفیتیں مجھے اتنی مہلت نہ دے سکیں کہ میں عصمت پر متوجہ ہوتا . . . . رازق میاں کے واسطے میں نے ایسی دُلہن منتخب کی جو عصمت کو پوری طرح سنبھال لے اور عصمت کے متعلق میری پریشانیوں کا خاتمہ ہو۔ یہ سنہ ۲۳ء کی باتیں ہیں۔ اور اس مرحومہ نے جس محنت سے کام کیا اس کا ثبوت اس مرنے والی کے بعد اس کے زندہ پرچے آج تک موجود ہیں۔ رازق دُلہن مرحومہ کے بعد رازق میاں مطلق کام نہ کر سکے۔ میں مدرسے کو نہ چھوڑ سکا اور عصمت کی حالت پھر ردّی ہونی شروع ہوئی . . . .

سنہ ۲۵ء کے آخر میں میں نے رازق میاں کو اطلاع دیدی کہ عصمت اور کتابوں کا کام صرف ان کو انجام دینا ہے۔ اُنہوں نے میرے حکم کی تعمیل کی اور کرنی چاہیئے تھی۔ لیکن غم زدہ اور دل شکستہ ہونے کے علاوہ ان کو بہت سی دقتوں کا سامنا رہا۔ خریداروں کی تعداد بے قاعدگی اشاعت کی وجہ سے اس قدر گھٹ چکی تھی کہ کامیابی محال معلوم ہوتی تھی۔ مگر میں ان کی ہمت کی داد دیتا ہوں کہ اُنہوں نے نہایت استقلال سے کام کیا اور کامیاب ہوئے۔ ایک دوسری مشکل یہ تھی کہ نئے نئے پرچے نکل رہے تھے اور کم چندے پر زیادہ سامان دینے کی

کوشش کر رہی تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اُنہوں نے اسکی بھی
پرواہ نہ کی اور سرگرمی سے محنت کرتے رہے۔ پہلی ہی مرتبہ سینکڑوں
وی پی واپس ہوئے ہیں تو یہ واپسیاں کام کرنیوالے کو مایوس کرنے
کیلئے بہت کافی تھیں۔لیکن رازق میاں نے نہایت محنت اور استقلال
سے وقت کا مقابلہ کیا اور آج خدا کا شکر ہے وہی لوگ جو عصمت
سے مایوس ہو چکے تھے ان کی بہت سی اُمیدیں عصمت سے وابستہ ہیں۔
عصمت اس سال جس آب و تاب اور پابندی وقت سے شائع ہوا
اور جیسے قابل قدر پاکیزہ مضامین شائع کئے ان کو دیکھ کر میں
رازق میاں کو ان کی کامیابی پر نہایت خوشی سے مبارکباد دیتا
ہوں۔ اس میں شک نہیں اُنہوں نے بے غل وغش روپیہ خرچ کیا ہے
اور رسالہ کو کامیاب بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اب
عصمت کی پوری کامیابی ناظرین عصمت کی توجہ سے وابستہ ہے جو
الحمدللہ حاصل ہو چکی، حاصل ہو رہی ہے اور یقین کامل ہے حاصل
ہوگی۔ جنوری ۱۹۲۶ء سے دسمبر ۱۹۲۶ء تک بارہ پرچے نہایت
پابندی سے ہر مہینے شائع ہوئے۔ تصاویر عصمت کی اپنی ہیں
بازاری یا مستعار نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مجھے یہ دیکھکر افسوس ہوتا ہے کہ بعض پرچے اپنے فرائض کو پوری
طرح سے محسوس نہیں کرتے۔ تھوڑے دن ہوئے ایک زمانہ پرچے میں
میں نے یہ فقرے دیکھے" ۔ ۔ ۔ ۔ اڈیٹر کی ادنیٰ کوشش اس مفہوم کو
دوسرے الفاظ میں بھی بیان کر سکتی تھی۔ لباس ظاہری کتنا ہی بھڑکدار
ہو مگر سُننے والے کی باتیں بھی دیکھنی ہیں۔ ۔ ۔ " نامہ نگار نے اپنے

جوش میں لکھا"۔ ۔ ۔ ۔ مگر یہ کام اڈیٹر کا تھا کہ نامہ نگار کا مفہوم ادا ہو جائے اور کسی کو ناگوار نہ ہو۔

مجھے یہ دیکھکر دلی مسرت ہوئی کہ عصمت کے جس قدر مضامین شائع ہوئے وہ اس اعتبار سے بھی نہایت درست اور صحیح تھے۔ ایک موقع پر ایک نامہ نگار کو ایک مشہور خاتون سے مذہبی عقائد میں شکایت ہوئی۔ عصمت نے وہ مضمون شائع کیا مگر اس طرح کہ دونوں فریق رضامند ہو گئے۔ رازق میاں کا بیان ہے اگر وہ مضمون حرف بہ حرف شائع ہوتا تو ایک آگ لگ جاتی۔

سب سے بڑی بات جس کو دیکھ کر میں مطمئن ہوا یہ ہے کہ جس مقصد کو لیکر عصمت کا پہلا پرچہ ۸ء میں نکلا تھا ۲۶ء میں بھی ان مقاصد کی تکمیل کر رہا ہے اور باوجودیکہ زمانہ کئی رنگ پلٹ چکا ہے اور وقت کہیں کا کہیں پہنچ گیا عصمت آج بھی اسی روش پر قایم ہے۔

مجھے یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ عصمت لڑکیوں میں مضمون نگاری کا شوق پیدا کر رہا ہے اور لکھنے والی لڑکیوں کی تعداد روز بروز زیادہ ہو رہی ہے۔ ۔ ۔ ۲۶ء عصمت کا ایک نہایت کامیاب سال ہے جس پر اڈیٹر عصمت اور مضمون نگاران عصمت مبارکباد کے مستحق ہیں"۔

میرے متعلق ابا جان نے خدا ان کی آرام گاہ کو اپنے نور سے معمور کرے جو کچھ تحریر فرمایا تھا وہ ان کی شفقت پدری تھی ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے اپنی قابلیت اور محنت کا خود ہی اچھی طرح اندازہ ہے۔ ۲۶ء میں جو کامیابی عصمت کو حاصل ہوئی وہ ابا جان اور صرف ابا جان کی وجہ سے، ان کی زبردست شخصیت انکی بےمثل بے لوث خدمات اور ان کی سحر نگاری کی وجہ سے۔

مصورِ غم کی سحر نگاری

سنہ ۲۶ء کا ذکر ہو رہا ہے - اسی سال کا ایک واقعہ بھی لکھ دیتا ہوں اس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ میں نے ان کی تحریروں کو سحر نگاری کہا تو مبالغہ سے کام نہیں لیا۔

ٹھیک یاد نہیں کہ فروری کا مہینہ تھا یا مارچ کا کہ ہندوستان کے ایک صوبہ کے ایک معقول سرکاری عہدہ دار جن سے ہماری ملاقات ہو چکی تھی ان کی بیوی کی طلاق کے متعلق مجھے اشاعت کی غرض سے ایک مضمون موصول ہوا۔ میں نے یہ مضمون ابا جان کو سنایا تو انہوں نے میرا خیال معلوم کرنے کے لئے فرمایا "مناسب سمجھو تو چھاپ دو"۔ میں نے عرض کیا "میں تو قیامت تک شائع نہ کروں گا"۔ پہلا ظلم طلاق دوسرا ستم اس مصیبت ماری کی بدنامی"۔ فرمایا "تو پھر مطلقہ کی حمایت میں عصمت کو لکھنا چاہیئے"۔ میں نے عرض کیا "عصمت ضرور لکھے گا" شاید ایک ہفتہ بھی نہ گذرا تھا کہ یہی مضمون ایک زنانہ پرچے میں شائع ہوا اور دوسرے ہفتہ میں ایک اور زنانہ پرچہ میں - مجھے بہت غصہ آیا اور میں نے ابا جان سے عرض کیا "اب تو اس کا بہت سخت جواب ہونا چاہیئے" انہوں نے فرمایا "تم اس ہفتہ کے پرچہ کیواسطے افسانہ کے لئے کہہ رہے ہو میں اسی میں اس کا جواب بھی لکھدوں گا" ابا جان نے افسانہ شروع کر دیا تو ایک بہن کا مضمون پہنچا جس میں انہوں نے سخت شکایت کی کہ زنانہ پرچے جو ہمارے اپنے کہلاتے ہیں ہمیں بدنام کرتے ہیں اور پھر ہماری ہمدردی کے دعویدار ہیں۔ عصمت نے یہ مضمون بھی شائع نہ کیا۔ البتہ مصیبت ماری بہن کی حمایت میں حضرت مصورِ غم کا دردانگیز باتصویر افسانہ "طلاقن کا سفید بال" شائع کیا گیا جس کا یہ اثر ہوا کہ جن صاحب نے اپنی بیوی کو طلاق دی تھی انہوں نے ارشادِ رسول ؐ کی تعمیل کی اور رجوع کر لیا۔

مصورِ غم کی سحر نگاری کا یہ ایک ادنیٰ کرشمہ تھا ان کی مستقل تصانیف اور عصمت کے مضامین نے ایک دو نہیں دس بیس نہیں ہزاروں گھرانوں کو تباہی و بربادی سے بچا کر جنت کا نمونہ بنا دیا۔

عِصمَت بُک ڈپو

عصمت جن مقاصد کو لیکر سنہ ۰۸ء میں جاری ہوا تھا وہ ہر دور میں پیش نظر رہے۔ کنواری لڑکیوں اور بیاہی ہوئی مستورات کیلئے مفید کتابوں کی اشاعت بھی عصمت کے مقاصد میں سے ہے۔ سنہ ۰۹ء ہی سے عصمت نے اس طرف توجہ کرنی شروع کر دی تھی اور آٹھ دس کتابیں سنہ ۱۳ء تک شائع ہو چکی تھیں مگر سنہ ۱۶ء میں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تمام کتابوں کا سرمایہ آگ کی نذر ہو گیا۔ اس کے بعد جو کوشش کی گئی وہ سنہ ۱۹ء کی آتشزدگی کی لپیٹ میں آئی۔ اس زمانہ میں حضرت والد مرحوم کی تصانیف جو دوسرے حضرات نے شائع کیں اور ہم خود اس قدر مقبول کتابیں شائع نہ کر سکے اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہمارے ہاں چھپائی وغیرہ کا معقول انتظام نہ رہا تھا اور آتشزدگی نے ہزاروں روپیہ کا چھاپہ خانہ ختم کر دیا تھا۔ تاہم سنہ ۱۹ء سے سنہ ۲۳ء تک کے زمانہ میں بھی حضرت علامہ مغفور کی چار پانچ کتابیں شائع کی گئیں۔ ان کتابوں سے ہمیں مالی فائدہ کافی ہوا۔ اور اس میں شک نہیں کہ عصمت کی حالت درست ہونے میں بہت بڑی مالی امداد ان کتابوں کی فروخت سے ہی ملی۔ سنہ ۲۶ء میں عصمت سنبھل چکا تھا، دوسرے پریس میں چھپائی کا معقول انتظام ہو گیا تھا۔ اور اب کتابوں کی اشاعت کا انتظام اطمینان کے ساتھ کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ سنہ ۲۷ء میں خلد آشیاں مصورِ غم کی کئی بیش بہا تصانیف شائع کی گئیں۔ اور ہر سال کتابوں میں اضافہ ہوتا گیا یہانتک سنہ ۳۵ء میں دفتر عصمت کی کتابوں کی تعداد سو تک پہنچ گئی۔

میں نے عصمت بک ڈپو کے متعلق عصمت میں کچھ لکھنا پسند نہیں کیا، مگر اس موقع پر چند باتیں عرض کر دینی نامناسب نہ ہونگی۔

ابا جان (فردوس مکانی) جب اس دنیا سے تشریف لے گئے تو اس وقت تک ان کی قریباً ساٹھ کتابیں شائع ہو چکی تھیں۔ ان میں نصف سے زیادہ تصانیف ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۱ء تک لکھی گئی ہیں۔ اور سوائے دو تین کتابوں کے تمام کتابیں دوسرے حضرات نے شائع کی تھیں، ابا جان کی مدرسہ کی مصروفیات اس قدر بڑھتی چلی گئیں کہ آخری دس سال میں وہ دس کتابیں بھی نہ لکھ سکے۔ جتنے صفحے ایک ایک دو دو ماہ میں ختم کر ڈالتے دو دو تین تین سال میں لکھے گئے۔ دوسروں کیلئے انہوں نے ایک ایک سال میں دس دس کتابیں لکھ دیں لیکن مدرسے کی مصروفیات کی وجہ سے میرے لئے پندرہ سال میں دس کتابیں بھی نہیں لکھیں۔ میں کبھی شکایت بھی کرتا تو فرماتے "بہت کچھ لکھ چکا اب کچھ وہاں کے لئے بھی کرنے دو۔" یتیم بچیوں کو سینہ سے چمٹا کر ان پر اپنی کتابوں کا روپیہ صرف کر کے انہیں جس قدر خوشی ہوتی تھی وہ کسی تصنیف کے ختم کرنے اور اس کی مقبولیت کا حال دیکھ کر بھی نہ ہوتی تھی۔ مدرسہ میں ان کا یہ انہماک دیکھ کر میں نے ان کے مطبوعہ مضامین کتابی صورت میں چھاپنے شروع کر دیئے۔ ان کی تلاش و جستجو میں بڑی بڑی کاوش اور محنت کرنی پڑتی تھی۔ مگر جب کوئی مجموعہ تیار کر کے انہیں دکھاتا اور وہ مسکراتے تو ان کی مسکراہٹ بہت معنی خیز ہوتی تھی اور میں اپنی تمام محنت بھول جاتا تھا۔ اِدھر تو میں مطبوعہ مضامین کتابی صورت میں شائع کر رہا تھا اُدھر جو کتابیں وہ دوسروں کو دے چکے تھے ان کا کاپی رائٹ واپس لینے کی کوشش کر رہا تھا اور دونوں کوششوں میں بڑی حد تک کامیاب ہو گیا تھا، ابا جان خلد آشیاں کی تصانیف کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ اُن کے زمانہ کے کسی اُردو مصنف نے اپنی آنکھ سے نہ دیکھی۔ ایک ایک کتاب کے

پانچ پانچ دس دس بلکہ پندرہ پندرہ بیس بیس اڈیشن شائع ہوئے اور دو چار کتابوں کے نہیں قریب قریب سب ہی کتابوں کی یہ کیفیت رہی کہ اِدھر چھپیں اُدھر ختم ہوئیں، ابّا جان جنت مکانی کی تصانیف سے ہر ماہ عصمت بک ڈپو کو نہایت معقول آمدنی ہوتی رہی، اور حقیقت تو یہ ہے کہ اگر اُن کی تصانیف کی آمدنی سے مدد نہ ملتی تو نہ مدرسہ کی بڑی بڑی ضرورتیں رفع ہوتیں اور نہ عصمت اس قدر ترقی کر سکتا تھا عصمت کی اشاعت جب پانچ ہزار تک پہنچ گئی اس وقت بھی آمدنی کے مقابلہ میں اخراجات اس قدر زیادہ رہے کہ بغیر ان کتابوں کی مدد کے عصمت کا اپنی شان قایم رکھنا ناممکن تھا۔ یہ حالات معلوم ہونے کے بعد یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جن لوگوں نے مصور غم علیہ الرحمتہ کی مستقل اور نئی نئی تصانیف کے متعدد اڈیشن شائع کئے اُنھوں نے کس قدر دولت پیدا کی ہو گی۔

۴۴ سال گذر گئے لیکن عصمت تجارتی اُصولوں پر کبھی نہیں نکلا۔ ورنہ مندرجہ بالا داستان پڑھنے کے بعد بآسانی سمجھ میں آ سکتا ہے کہ اگر عصمت تجارتی پرچہ ہوتا تو ہزاروں روپیہ کا اس قدر زبردست مالی نقصان پے در پے ہرگز نہ اُٹھاتا۔ البتہ حضرت علامہ مغفور کی کتابیں چھاپنے میں بے شک مالی منفعت بھی پیش نظر تھی۔ اور خدا نے کچھ ایسی برکت دی کہ جب سے میں نے باقاعدہ کتابوں کا کام شروع کیا عصمت بک ڈپو میں کبھی روپیہ کی کمی نہ ہوئی۔ عصمت کی ترقی کا یہ بھی ایک بڑا راز ہے۔

ابّا جان خلد مکانی کی تصانیف کے علاوہ عصمت کے مضمون نگاروں کی بھی چار پانچ درجن کتابیں میں نے شائع کی ہیں۔ مگر سوائے چند کتابوں کے ان سے مجھے کوئی خاص مالی فائدہ نہ ہوا۔

ممکن ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہو کہ کتابوں کی نکاسی کے لئے جو طریقے عام

طور پر اختیار کئے جاتے اور ان کی فروخت و اشاعت کے لئے جو جو کوششیں کیجاتی ہیں مجھ سے وہ نہ ہو سکیں۔ مدرسوں اور کالجوں کے نصاب اور کتب خانوں کیلئے کتابیں منظور کرانے کے واسطے متعلقہ اشخاص کو رشوتیں دینا، دعوتیں کرنا، خوشامد اور چاپلوسی سے کام لینا، یہ سب باتیں میری طبیعت کے خلاف تھیں، ممکن ہے میرا اصول غلط ہو، اور مشاہدہ بتا رہا ہے کہ غلط ہی تھا مگر میرا آج بھی یہی خیال ہے کہ یہ کام میرا نہیں ان لوگوں کا تھا جنہیں موزوں اور مفید کتابوں کا انتخاب کرنے کے لئے گورنمنٹ بڑی بڑی تنخواہیں دے رہی ہے۔ ہر دوکاندار اپنی چیز کو بہترین ظاہر کرتا ہے یہ خریدنے والے کا کام ہے کہ وہ پیتل اور سونے میں امتیاز کر سکے۔

کتابوں کی نکاسی کے لئے ایک اور کامیاب طریقہ اشتہار بازی ہے۔ عصمت بکڈپو کی کتابیں اشتہار ہی کے ذریعہ فروخت ہوتی ہیں اور اشتہارات بھی میں خود ہی لکھتا تھا۔ مگر اللہ تعالےٰ کا شکر ہے میں نے تن پروری کے لئے کسی اشتہار میں دہوکہ یا فریب سے کام نہیں لیا۔ اشتہار میں جاذبیت اور کشش پیدا کرنے کے فن سے میں قطعی ناواقف نہیں لیکن زمین آسمان کے قلابے میں نہیں ملا سکتا۔ ہاں یہ ممکن ہے کسی اشتہار میں کسی قدر مبالغہ ہو گیا ہو۔ لیکن غلط اشتہار میں نے کبھی نہیں لکھا۔ میں نے وہی کتابیں شائع کیں جو میری رائے میں تعلیم یافتہ سنجیدہ مستورات کیلئے مفید ہو سکتی تھیں یا جنکا مطالعہ ان کیلئے دلچسپی کا باعث ہو سکتا تھا۔ اس اصول کے تحت میری رائے اگر کسی مسودہ کے متعلق اچھی نہ ہوئی تو میں نے مالی فائدہ کو بھی نظر انداز کر دیا اور اسے شائع نہ کیا۔ اور صرف وہی کتابیں چھاپیں اور ان کے اشتہارات لکھے جو میری رائے میں خواتین کے لئے مفید تھیں۔ اور اسی لئے میں نے یہ بھی اعلان کر دیا کہ اگر کوئی کتاب اشتہار کے مطابق نہ ہو تو واپس

کر کے قیمت منگا لی جائے، اور ایسا کوئی خط کبھی موصول ہوا تو اسے شائع بھی کر دیا چنانچہ میں نے ایک دفعہ یہ بھی لکھا تھا کہ یو پی کے ایک صاحب نے عصمتی دسترخوان کو پسند نہیں کیا۔ انہوں نے اشتہار دیکھ کر کتاب منگائی اور اپنی رائے میں خلاف اشتہار پائی۔ اس کا جواب بھی شاید میں نے لکھا تھا۔ یہ کتاب جیسی بُری بھلی ہے ہزارہا بہنیں منگا کر دیکھ چکی ہیں۔

ایک اور طریقہ یہ ہے بعض تاجران کتب اپنے دوستوں یا ملنے والوں سے تعریفی مضامین یا خطوط لکھوا کر شائع کرتے ہیں یا فرضی خطوط ہی کسی کتاب کی تعریف میں شائع کرتے رہتے ہیں جس طرح رسالہ عصمت کی ترقی کے خیال سے فرضی خطوط شائع نہیں کئے گئے اسی طرح عصمت بکڈپو کی کتابوں کیلئے بھی کبھی فرضی خطوط لکھنے یا شائع کرنے کی نوبت نہیں آئی۔

بعض کتابوں کو کسی دولتمند شخص کے نام منسوب کر کے کچھ نہیں تو خرچ کی بڑی رقم وصول کر لی جاتی ہے لیکن عصمت بکڈپو کی سو کتابوں میں سے دو چار کتابیں ہی ایسی ہیں (اور وہ بھی وہ جو مصنفوں نے منسوب کی ہیں) جن سے کتاب کی چھپائی وغیرہ میں نام کو بھی کوئی مدد نہیں ملی۔ حلقۂ عصمت میں خدا کے فضل سے متمول خواتین کی کمی نہیں۔ بہت آسانی سے بہت سی کتابوں کی اشاعت میں مالی مدد مل سکتی تھی مگر عصمت نے یہ طریقہ بھی پسند نہیں کیا۔

کتابوں کے فروخت ہونے میں اخبارات و رسائل کے ریویو سے بھی بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔ مگر خود مصنف نے بھیجہ ہی ہو تو دوسری بات ہے عصمت بکڈپو نے اپنی کوئی کتاب ریویو کی غرض سے اپنے معاصرین کو اس لئے نہیں بھیجی کہ ان میں سے اکثر کی نگاہ میں اوّل تو زنانہ لٹریچر کی کوئی وقعت نہیں دوسرے صحیح تبصرے بالعموم کئے ہی نہیں جاتے۔ توجہ کے قابل بعض معاصرین کی نگاہ میں وہی کتابیں ہوتی ہیں

جن کا انکی کتابوں پر کوئی اثر نہ پڑے یا کسی دوست کی لکھی یا شائع کی ہوئی ہوں یا کسی ایسے شخص کی ذات سے تعلق رکھتی ہوں جسے کسی مصلحت سے ممنون کرنا مقصود ہوتا ہے۔ عصمت ہر ماہ تو نہیں کیونکہ خواتین کے مطلب کی کتابیں کئی کئی ماہ بعد شائع ہوتی ہیں۔ لیکن وقتاً فوقتاً دوسروں کی کتابوں پر ریویو کرتا رہتا ہے مگر اپنی کتابوں کا ریویو کرنے کی بالعموم اپنے معاصرین کو تکلیف نہیں دیتا۔

اپنے کام کو ترقی دینے کے لئے بعض تاجران کتب دوسروں کی مقبول کتابوں کا توڑ کرتے ہیں ان کو اس سے بحث نہیں کہ دوسرے نے کس دماغ سوزی کے بعد اس موضوع پر کس محنت سے کتاب لکھی ہے، کوئی نیا موضوع ان کے ذہن میں نہیں آتا اور دوسروں کی نقالی میں اپنی کامیابی معلوم ہوتی ہے۔ وہ اس طرز پر اس رنگ کی کتاب شائع کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کتاب کا نام بھی ملتا جلتا رکھتے اور اسی قسم کے اشتہارات شائع کرتے ہیں۔ اور اشتہار پڑھنے والے کو دھوکہ ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب بھی اسی مصنف یا اسی کتب خانہ کی ہے۔ دوسروں کو نقصان پہنچا کر اس قسم کا فائدہ حاصل کرنے کی کوشش بھی عصمت بکڈپو نے کبھی نہیں کی۔

اس تمام تفصیل کے بیان کرنے کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کہ حلقۂ عصمت کو یہ معلوم ہو سکے کہ کتابوں کی تجارت میں کامیابی کی جو عام صورتیں ہوتی ہیں عصمت بکڈپو اُن سے فایدہ نہ اُٹھا سکا اور اسی لئے حضرت علامہ مغفور کی تصانیف اور چند کتابوں کو چھوڑ کر نامہ نگارانِ عصمت کی کتابوں کی اتنی فروخت نہ ہو سکی جس کی وہ حقیقتاً مستحق تھیں۔ اگر ان کی اتنی قدردانی بھی ہوتی رہتی کہ ہزار ہزار نسخوں کا ایک ایک اڈیشن سال ڈیڑھ سال میں ختم ہوتا رہتا تو اب تک دو ڈھائی سو کتابیں شائع کر چکا ہوتا لیکن جہاں مجھے بعض کتابوں کی اس شست رفتار فروخت پر اکثر افسوس ہوا وہاں ان خیالات سے میں خوش تھا کہ میں نے بہت سے بکھرے ہوئے ادبی پھولوں

کے گلدستے تیار کئے جن کی اب نہ ہوئی تو کیا آیندہ قدر ہوگی، میں نے مستورات کے مطلب کی نئے نئے موضوعوں پر مفید کتابیں شائع کیں جو خریدنے والوں نے پسندیدہ نظروں سے دیکھیں۔ اور تعداد میں بھی دس سال میں خواتین کے لئے اتنی کتابیں شائع کر دیں کہ ہندوستان میں کسی ایک جگہ سے شائع نہیں ہوئیں۔

بنات

میں نے جس طرح عصمت میں کتابوں کے متعلق کچھ لکھنا اس لئے پسند نہ کیا، کہ یہ کتابیں میں خود شائع کر رہا تھا اسی طرح بنات کے متعلق میں نے آٹھ سال گذر گئے اور کچھ نہیں لکھا۔ اس وجہ سے کہ بنات میری ہی ادارت میں نکل رہا تھا۔ مگر عصمت کی اس تاریخ میں بنات کا ذکر بھی ضروری ہے۔

سنہ ۲۶ء میں عصمت کی حالت ٹھیک ہو گئی تھی۔ مگر تربیت گاہ کے لئے ایک آرگن کی ضرورت ابا جان جنت مکانی کو محسوس ہو رہی تھی، لیکن صرف مدرسہ کا آرگن ہونے کی صورت میں پرچہ کی کامیابی ممکن نہ تھی، عصمت کا معیار بلند ہو چکا تھا اور اب وہ چھوٹی بچیوں کے مطلب کا پرچہ نہیں رہا تھا۔ ادھر عصمت میں یہ کمی تھی کہ یوں تو ہر موضوع کے مضامین کافی شائع ہوتے تھے۔ مگر مذہبی مضامین کی تعداد نسبتاً کم تھی، بالآخر ابا جان نے یہ طے فرمایا کہ مسلمان بچیوں کے لئے ایک مذہبی رسالہ جاری کیا جائے۔ جو تربیت گاہ کا پرچہ ہو۔ چنانچہ سنہ ۲۷ء میں بنات جاری ہوا۔ اس کی ادارت اور انتظامات وغیرہ بھی میرے سپرد کئے گئے۔ عصمت کی طرح بنات آجتک نہایت پابندیٔ وقت سے شائع ہو رہا ہے اس کا چندہ بہت کم رکھا گیا۔ اور مدرسہ کی ترقی کیلئے تین تین چار چار ہزار پرچے ماہوار مفت تقسیم کئے گئے مگر باوجود ان تمام باتوں کے اسے وہ مقبولیت حاصل نہ ہوئی جیسی توقع تھی، زیادہ سے زیادہ

خریدار جو بنات کو کسی سال میسر آسکے ان کی تعداد اٹھارہ سو تک رہی۔ اجرائے بنات کا ایک مقصد یہ تھا کہ اس سے مدرسہ کو فائدہ پہنچے اور گو اس پر ہر سال بہت کافی روپیہ خرچ ہوتا رہا تاہم مدرسہ کو اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچتا رہا۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ مسلمان بچیوں میں مذہبیت پیدا ہو۔ اس مقصد میں بھی بنات کو کافی کامیابی ہوئی۔ بنات کے اور مضامین تو کچھ ایسے بہت زیادہ دلچسپ ہر ماہ نہیں ہوتے تھے۔ لیکن بنات کے صفحات پر۔ احکام نسواں، مذہبی تاریخ، قرآن مجید کے قصے، غلبۂ دل وغیرہ مستقل عنوانوں کے تحت میں ابا جان نے (خدا انہیں جنت نعیم میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا کرے) جو مضامین لکھے وہ یقیناً ادب اردو اور زنانہ لٹریچر کے گراں بہا شہ پارے ہیں۔ اُن سے مُسلمان لڑکیوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ بنات کی خریدار زیادہ تر عصمتی بہنیں یا ان کی بچیاں تھیں۔ جو خوبصورتی اور دلچسپی عصمت میں تھی ایک روپیہ چندہ کے بنات میں پیدا نہ ہوسکتی تھی اور پھر خریداروں کی تعداد بھی کافی نہ تھی۔ دو تین مرتبہ بنات کو نسبتاً دلچسپ بنانے کی کوشش کیگئی مگر خریداروں نے پرچہ کی ترقی میں کوئی خاص حصہ نہ لیا۔ ۳۲ء میں جب میں نے نئی کتابوں کی اشاعت اور عصمت کی ترقی کیطرف زیادہ توجہ کی تو بنات کو زیادہ وقت نہ دے سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۳۳ء میں اس کی اشاعت بارہ سو رہ گئی۔ اس کے بعد کبھی ڈیڑھ ہزار یا پونے دو ہزار ہوگئی۔ یا سوا ہزار رہ گئی۔ اکتوبر ۳۵ء میں حضرت والد مغفور نے اس کی ادارت میاں صادق سلمہٗ کے سپرد کی۔ اور اب تک وہی پرچہ مرتب کر رہے ہیں۔ بنات کی مالی حالت قابل اطمینان نہیں مگر چونکہ ابا جان کی یادگار ہے اسلئے بدستور جاری رہے گا۔

۱۹۲۸ء

عصمت اب ہر سال ہر اعتبار سے ترقی کر رہا تھا۔ خریدار اکتوبر ۲۵ء میں چھ سو

بھی نہ رہے تھے ۲۶ء میں اشاعت دو ہزار اور ۲۷ء میں ڈھائی ہزار ہوگئی،
۲۸ء میں اور معقول اضافہ ہوا اور ۲۹ء میں اشاعت تین ہزار سے اُوپر پہنچ
گئی۔ ۲۸ء میں جوبلی نمبر شائع ہوا تو رسالہ کی تقطیع بدلکر موجودہ بڑا سائز کر دیا گیا۔
جوبلی نمبر ضرورت سے بہت زیادہ چھپوا لیا گیا مگر اس کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی
کہ سب پرچے ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ جوبلی نمبر کے بعض مضامین بہت قیمتی تھے۔
بعض تصویروں کے بلاک یورپ میں بنائے گئے تھے۔ عصمت کے جوبلی نمبر سے قبل
اس قدر شاندار اور ضخیم خاص نمبر کسی ادبی رسالہ کا بھی شائع نہ ہوا تھا تعلیم یافتہ
طبقہ میں توقع سے بہت زیادہ مقبول ہوا۔ اور ہندوستانی پریس نے نہایت اچھے
الفاظ میں اس کا تذکرہ کیا۔ جوبلی نمبر کا عصمت کی شہرت اور اشاعت پر بہت اچھا
اثر پڑا لیکن اس کے بعد میں ہر سال جون کی قیامت خیز گرمی میں سالگرہ نمبر خاص
اہتمام سے شائع کرنیکا پابند ہوگیا۔ ۲۹ء کا سالگرہ نمبر جوبلی نمبر کی طرح کامیاب
تو نہ تھا لیکن قدردان بہنوں نے اسے بھی بیحد پسندیدہ نظروں سے ملاحظہ فرمایا۔
رسالہ کا سائز بدلا گیا تو مضامین پُرانے سائز کے ڈیڑھ گنے سے بھی کچھ زیادہ دئے
جانے لگے۔ خدا کا کچھ ایسا کرم شاملِ حال رہا کہ باوجودیکہ مضامین کے انتخاب
میں سختی سے میں کام لے رہا تھا۔ مضمونوں کی کسی ماہ کمی نہ ہوئی۔ بلکہ دو دو ماہ
کے پرچوں کے قابلِ اشاعت مضامین ہر وقت موجود رہنے لگے۔ اور مضامین
کی کثرت عصمت کا معیار بلند ہونے میں بہت مفید ثابت ہوئی۔

۲۹ء

۲۹ء میں میرا دوسرا نکاح ہوا تو آمنہ نازلی صاحبہ نے عصمت کی
ادارت میں تو بہت کم لیکن نئی کتابوں کی تیاری میں معقول مدد دینی شروع کی
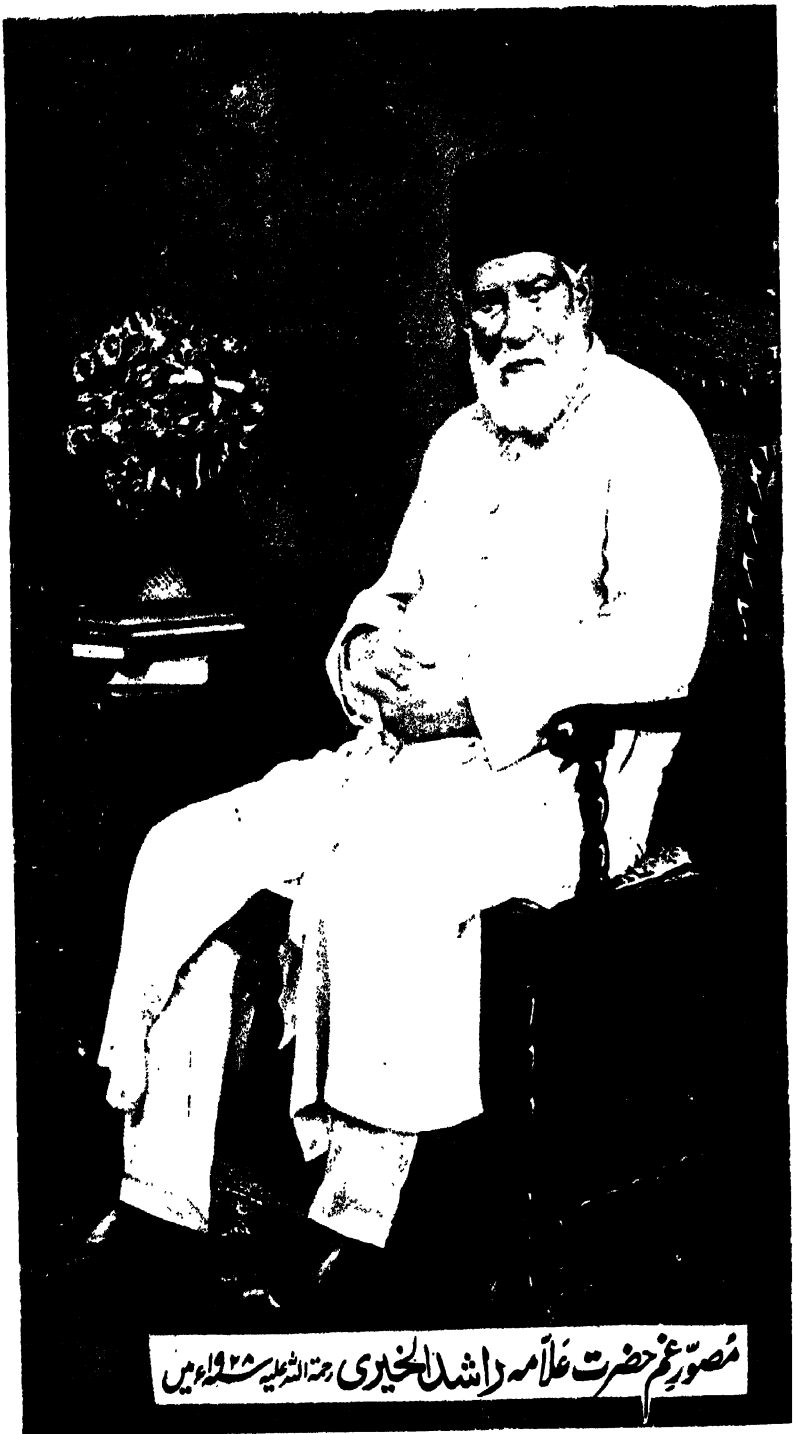
مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۲۵ء میں

اور عصمتی دسترخوان جیسی مفید کتابیں تیار کرکے خواتین ہند کی ایک اشد ضرورت کو پورا کردیا۔ سنہ ۲۹ء عصمت کا بہت کامیاب سال تھا۔ اشاعت کے اعتبار سے عصمت ہندوستان کے تمام زنانہ پرچوں سے آگے نکل چکا تھا۔ مضمون نگار خواتین کی تعداد سو سے اوپر پہنچ چکی تھی اور مضامین کا معیار بلند تھا۔ اخراجات گو سنہ ۲۹ء میں بہت زیادہ تھے تاہم اب پرچہ اپنا خرچ نکالنے لگا تھا۔ عصمت کے سنہ ۲۹ء کے متعلق جنوری سنہ ۳۰ء کے پرچہ میں حضرت والد مغفور کا جو مضمون شائع ہوا تھا۔ اس کا ایک حصہ بھی اس موقعہ پر نقل کردینا مناسب ہوگا کہ یہ عصمت کے سنہ ۲۹ء پر تبصرہ تھا:۔

"میں نے جس وقت عصمت میاں رازق کے سپرد کیا تھا اسوقت میرے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ میں اپنی آنکھوں سے عصمت کو اس قدر کامیاب دیکھ سکوں گا کہ اس کی اشاعت ہندوستان کے کسی زنانہ پرچے سے کم نہ ہوگی اور ملک کی بہترین اہل قلم اس کی نامہ نگاری میں مصروف ہونگی اور پیچیدہ سے پیچیدہ زنانہ مسئلہ عصمت کے ذریعہ سے طے ہوگا۔

میں سمجھتا ہوں عصمت کا سنہ ۲۹ء نہایت کامیاب سال ہے اس لئے نہیں کہ ہر مہینہ کا پرچہ پابندی وقت کے ساتھ تاریخ کو شائع ہوا بلکہ اس لحاظ سے کہ باوجود مالی ترقی کے یہ مواقع موجود ہونے کے کہ بعض اشتہارات کی توقع سے بہت زیادہ اجرت پیش کی گئی اور یہ نہ ہونے سے کہ سرکاری اشتہارات اسمیں شائع ہوسکیں عصمت نے نہایت استقلال سے کام لیا۔ اور ان اشتہارات سے بھی پرہیز کیا جو خواتین کے واسطے کچھ مفید

نہیں میں اس موقعہ پر جہاں میاں رازق کو مستحق مبارکباد سمجھتا
ہوں وہاں عصمتی بہنوں کو بھی جن کی توجہ نے عصمت کو ایک حد
تک بے نیاز کر دیا اور اشاعت میں جو ترقی ۱۹۲۹ء میں ہوئی وہ
حیرت انگیز تھی۔

میرے دورانِ ادارت میں ہر پرچہ جو صرف ہوتا تھا اس وقت
اس سے بلا مبالغہ چھ گنا زیادہ صرف ہو رہا ہے مگر اشاعت
چھ گنی نہیں ہے۔ اخراجات میں تصاویر ہی کی ایک ایسی مد ہے
کہ میں دیکھ کر متحیر اور ششدر ساکت ہو جاتا ہوں ۱۹۰۸ء میں ایک
تصویر دی جاتی تھی مگر لڑکیوں کے مذاق کی وجہ سے تصویروں کی
تعداد اتنی بڑھانی پڑی کہ شاید اُردو کا کوئی رسالہ بھی اتنی تصویریں
نہیں دیتا اس پر یہ احتیاط اور بھی زیادہ رقم لیتی ہے کہ ہر تصویر
عورتوں کے دائرہ پسندیدگی اور مذاق کے موافق ہو۔۔ اگر
میری کتابوں کی آمدنی عصمت کو مدد نہ دیتی تو باوجود ترقی اشاعت
کے عصمت بآسانی ان اخراجات کو برداشت نہ کر سکتا تھا۔
عصمت کی یہ کوشش کہ لڑکیوں میں نامہ نگاری کا شوق پیدا
ہو یقیناً قابلِ شکریہ ہے اس سلسلہ میں جس قدر روپیہ وہ ہر
سال معاوضہ اور انعام کی صورت میں تقسیم کر رہا ہے اس کی
مثال نہیں ملتی اور میں اس پر میاں رازق کی جس قدر حوصلہ
افزائی کروں کم ہے۔

اس سال میرے پاس بعض بہنوں کے خطوط آئے کہ عصمت
مضامین کے انتخاب میں غیر معمولی سختی سے کام لے رہا ہے اور ان کے

مضامین شائع نہیں ہوتے ...... ان عزیز بہنوں کو میں ہدایت کرونگا کہ وہ تحریر کا معیار بلند کریں اور لکھتے وقت یہ خیال فرمائیں کہ پڑھنے والی بہن نے جو وقت مطالعہ میں صرف کیا وہ بیکار نہ جائے بلکہ اس کا کچھ معاوضہ اسے ملے ..... مجھے یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ عصمت ۲۹ء کے مضامین کی تعداد ہر پرچہ پر فوقیت لے گئی اور اکثر مضامین نہایت ضروری اور مفید شائع ہوئے اور پامال مضامین سے جن پر بارہا بحث ہو چکی ہے اوراق سیاہ نہیں ہوئے .... مجھے سب سے زیادہ خوشی اس کی ہے کہ بھرتی کے مضامین سے اس کے اوراق پاک رہے۔

زنانہ پرچوں میں اس سال باہمی کشمکش بھی رہی اور ایک ایسا مسئلہ پیش آگیا جس پر دونوں طرف سے ورق کے ورق زنانہ اور مردانہ پرچوں کے سیاہ ہوئے اس سلسلہ میں بہت سے مضامین عصمت میں بھی اشاعت کے واسطے آئے مگر میں نے میاں رازق کو سختی سے ہدایت کردی کہ ان کی اشاعت تو درکنار اگر عصمت کے خلاف بھی کچھ لکھا جائے تو حتی الوسع اس کے جواب دینے کی کوشش نہ ہو۔

عصمت کے ۲۹ء کے متعلق حضرت والد مغفور علیہ الرحمۃ کے تبصرہ کا جو حصہ اُوپر نقل کیا گیا ہے اس میں بعض امور کی کسی قدر تشریح ضروری ہے۔

اشتہارات کے چند اُصول

اشتہارات سے اخبارات و رسائل کو بہت معقول مدد ملتی ہے۔ اور

بعض پرچوں کی آمدنی تو مستقل خریداروں کے چندہ سے اتنی نہیں ہوتی جتنی اشتہارات کی اُجرت سے، عصمت اگر تجارتی پرچہ ہوتا تو ہمیشہ مالی پریشانیوں میں نہ گھرا رہتا۔ اشتہارات کے معاملہ میں عصمت کا ہمیشہ یہ اُصول رہا کہ خواہ کتنی ہی زیادہ اُجرت پیش کیجائے لیکن اگر وہ عصمت کے معیار پر پورا اُترے تو قبول کرلیا جائے ورنہ کسی صورت میں شائع نہ کیا جائے بعض پرچے ڈنکے کی چوٹ دعوے کرتے ہیں کہ ہم تہذیب واخلاق سے گرے ہوئے اشتہارات شائع نہیں کرتے لیکن میں نے تو ان میں سے اکثر پرچوں میں جن کا مطالعہ کرنے والیاں زیادہ تر کنواری لڑکیاں ہیں ایسے ایسے اشتہارات دیکھے ہیں جو شریف مرد بھی اپنی مستورات کے سامنے نہیں پڑھ سکتے۔ بہرحال اشتہارات کے معاملہ میں عصمت کا سب سے پہلا اُصول یہ رہا کہ صرف وہ اشتہارات شائع کئے گئے جو ایک شریف بیٹی اپنے باپ کے سامنے اور ایک شریف بہن اپنے بھائی کے سامنے پڑھ سکے۔ پھر عصمت کو جس وقت یہ معلوم ہوا کہ اس اشتہار میں سوائے فریب اور دھوکہ کے اور کچھ نہیں تو بڑی سے بڑی اُجرت کی عصمت نے پرواہ نہیں کی اور اشتہار شائع کرنے سے انکار کردیا۔ ان اُصولوں کی پابندی سے اشتہارات کی جو آمدنی ہوسکتی تھی اس کے ستر اسّی فیصدی حصّہ سے عصمت فائدہ نہ اُٹھا سکا اور ہر ماہ کئی کئی صفحوں کے اشتہارات کی اُجرت ابتک واپس کررہا ہے۔

معاصرین سے تعلقات

نئے نئے زنانہ پرچے عصمت کے ہر دور میں جاری ہوتے رہے اور بعض پرچوں نے اکثر اعتبار سے عصمت کا چربہ اُتارنے کی ناکام کوشش کی اور اپنی کامیابی کی جدوجہد میں اپنی طرف سے عصمت کو نقصان پہنچانے

بھی دریغ نہ کیا۔ ایک صاحب نے دو مضمون روانہ فرمائے دونوں ناقابلِ اشاعت تھے۔ انہیں غصہ آگیا اور ایک زنانہ پرچہ جاری کر دیا۔ عصمت چونکہ تبادلہ میں اشتہارات شائع نہیں کرتا ان کا اشتہار بھی شائع نہ ہو سکا۔ خدا جانے کب تک اور کیسے کیسے غیر مہذب الفاظ میں ان کا عصمت پر غصہ اُترتا رہا۔ ایک صاحب سے تعارف نہ ہوا تھا چند بے تکلف دوستوں میں پہلے دس گالیاں دیتے اسکے بعد کوئی بات زبان سے نکالتے۔ اپنے پرچہ کے جاری کرنے کی جو وجوہ بیان فرما رہے تھے وہ بھی کچھ ایسی ہی سی تھیں، جب ان سے تعارف ہوا تو بہت اچھی طرح ملے اور اپنے پرچہ کا اشتہار بھیجا اور ریویو کے سلسلہ میں دو ایک دوستوں سے بھی خطوط لکھوائے ان کے ارشاد کی تعمیل نہ ہو سکی۔ اس لئے عصمت سے سخت ناراض ہو گئے۔ اور تربیت گاہ کے خلاف صرف اس وجہ سے لکھا کہ اڈیٹر صاحب کے اس ارشاد کی کہ مضمون نگار خواتین کے پتے ان کو لکھ دیئے جائیں تعمیل نہ ہو سکی۔ عصمت نے اپنے کسی معاصر کی اس مخالفت اور خفگی کی پرواہ نہیں کی اور بجائے ان فضولیات میں وقت ضائع اور اوراق سیاہ کرنے کے اپنی ناچیز خدمات میں مصروف رہا۔ چند ایسے بھی پرچے تھے جو دوسرے معاصرین کو نیچا دکھانے کی کوشش میں عصمت کی مدد یا حمایت حاصل کرنی چاہتے تھے۔ ایک صاحب تو صرف مجھ سے ملنے کے لئے تین دفعہ دہلی تشریف لائے۔ ایک موقع پر وہ اپنے ایک معاصر کو کچھ اس قسم کا نقصان پہنچانا چاہتے تھے جس سے عصمت کو معقول فائدہ ہو سکتا تھا مگر نہ صرف ان کو کورا جواب دیدیا گیا بلکہ اس ارادہ سے باز رہنے کا دوستانہ مشورہ بھی دیا گیا ایک دفعہ وہ صرف اس غرض سے تشریف لائے کہ ان کی ذات پر انکا وہی معاصر ظلم کر رہا تھا اور عصمت کو از روئے انصاف مدد کرنی چاہیئے تھی۔ عصمت نے دوسروں کے ذاتی معاملات میں دخل دینا

پسند نہ کیا اور اس سے یہ توقع اس لئے بھی نہیں کرنی چاہیئے تھی کہ وہ اپنے ذاتی معاملات تک میں خاموش تھا۔ یہ صاحب بہت ناراض ہوئے۔ ابا جان انہوں نے میری شکایتیں کیں، ناراضگی کے خطوط لکھے اور اپنی تائید میں عصمت کی بعض ان مضمون نگار خواتین کے مضامین اور خطوط بھجوائے جن سے میرے حقیقی بہنوں کے سے تعلقات تھے۔ میں اس وقت بھی ٹس سے مس نہ ہوا اور ابا جان کی ہدایت کے بموجب عصمت نے اس جھگڑے میں بڑے سے بڑا زور پڑنے پر بھی کوئی حصہ نہ لیا۔ تیسری دفعہ پھر یہ صاحب تشریف لائے، اور میری جان کھا گئے، مجھے افسوس ہے جس نیت سے انہوں نے زنانہ پرچہ جاری کیا تھا وہ درست نہ تھی اور اپنے معاصر کو نقصان پہنچانے کی جو کوششیں وہ فرما رہے تھے وہ بھی صحیح نہ تھیں۔ المختصر وہ اپنی کوشش میں قطعی ناکام رہے اور عصمت میں اس ذاتی بحث و مباحثہ کے سلسلہ میں ایک لفظ بھی نہ چھپا۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اس معاملہ میں جو شورش ان کے خلاف برپا کی گئی تھی گو اس میں انکے معزز معاصر کا نفس بھی غالب تھا لیکن وہ محترم دوست بھی اس کے مستحق نہ تھے کہ ان کے ساتھ ہمدردی کی جاتی۔

میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ بعض معاصرین نے عصمت کو نقصان پہنچانے کی کوششیں کیں مگر عصمت نے ان کے خلاف بھی کچھ نہ لکھا۔ اس سلسلہ میں صرف ایک واقعہ ۳۰ء کا لکھ دینا نامناسب نہ ہوگا۔

محترمہ (سید بلقیس بیگم) صاحبہ مؤلفہ خانہ داری کے تجربات، مفید نسواں وغیرہ ہندوستان کی مشہور مضمون نگار خواتین میں سے ہیں ۲۹ء میں وہ تربیت گاہ کی ہیڈ معلمہ کی حیثیت سے دہلی تشریف لائیں۔ عصمت کو بھی ان سے بیش بہا قلمی مدد ملتی رہی۔ ایک معزز معاصر جس نے پہلے بھی کئی مرتبہ عصمت کو

نقصان پہنچانے کی کوشش فرمائی تھی اس موقعہ پر بھی نہ چوکا اور اپنے ایک معتبر ایجنٹ کو اُن کی قیام گاہ پر بھیجا اور اس نے اڈیٹر رسالہ کی ہدایات کے بموجب محترمہ موصوفہ کو ہم لوگوں کیطرف سے بدظن کرنے کی انتہائی کوششیں کیں۔ ٹیپ کا بندیہ تھا کہ وہ پرچہ آپ کی صحیح قدردانی کریگا۔ آپ وہاں تشریف لیجائیں تو فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اگر گفتگو کا یہی مقصد ہوتا تو بھی غنیمت تھا مگر افسوس یہ ہے کہ مطلب براری کیلئے ہم میں دنیا بھر کے کیڑے ڈالے گئے' محترمہ۔ و۔ ا صاحبہ کو اس گفتگو کا بے انتہا رنج ہوا۔ اُنہوں نے دوسرے ہی دن آباجان سے اس کا ذکر کیا' مگر انتقام تو بڑی بات تھی وہ ذاتِ اقدس تو دشمن کے جذبات کو بھی ٹھیس لگانا نہ جانتی تھی سخرابی صحت کی بنا پر سال بھر بعد محترمہ و۔ ا آگرہ تشریف لے گئیں اور اُنہوں نے کچھ عرصہ بعد پورا واقعہ خود ہی قلمبند کر کے اشاعت کی غرض سے بھیدیا تو میںنے اس طرح اس مضمون کو شائع کرنا چاہا کہ معاصر مذکور کی بدنامی نہ ہو لیکن عصمتی بہنوں کو بھی معلوم ہوجائے کہ لوگ اپنے فائدہ کیلئے غیروں کو نہیں اُن تک کو جن پر اُن کے احسانات ہیں کیسا کیسا زبردست نقصان پہنچانے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں۔ حضرت والدِ مغفور فطرتاً صلح کل اور امن پسند تھے اور ہر قسم کے جھگڑوں سے الگ تھلگ رہتے۔ اور دشمنوں اور حاسدوں تک سے برتاؤ انتہائی شرافت کا کرتے تھے ان کے اعلیٰ ظرف نے اس مضمون تک کی اشاعت کی مجھے اجازت نہ دی اور فرمایا "تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ لیکن اس مضمون کی اشاعت سے ممکن ہے اس پرچہ کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔ اگر تم کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو کوئی نقصان بھی نہ پہنچاؤ"۔

اندراج مضامین کے چند اُصول

جس طرح برسات کے موسم میں جب اُودی اُودی گھٹائیں اُمڈ رہی

ہوں دریا کے کنارے کڑہائی چڑھ رہی اور گرم گرم چیزیں اُتر رہی ہوں تو پیٹ بھرے بھی ٹوٹ پڑتے ہیں۔ کچھ اسی طرح سے اخبارات و رسائل کی ہیجان انگیز خبریں اور چٹ پٹی مزیدار گرما گرم بحثوں میں اچھی خاصی سنجیدہ اور متین طبیعتوں کو دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے اور اس طریقہ سے عارضی ہی سہی خریداروں کی تعداد میں کئی کئی گنا اضافہ ہو جاتا اور بعض حالات میں کافی مالی فائدہ ہو جاتا ہے۔ اس مشاہدے کے بعد عصمت میں بھی بحث مباحثہ اور کسی نہ کسی پر اعتراضات کی بوچھاڑ کرنے کے لئے کافی میدان تھا۔ بڑی بڑی شخصیتوں تک عصمت بھی بہت کامیابی کے ساتھ پہنچ سکتا تھا اور اکثر اس قسم کے مواقع پیدا ہوتے رہتے کہ تعلیم یافتہ خواتین کی ہر محفل میں اور ہر مجلس میں عصمت کے گرما گرم مضمونوں کا چرچا ہوتا رہتا۔ لیکن ہنگامی مضمونوں اور فضول بحثوں سے جن سے خریداروں کو کوئی فائدہ نہ پہنچ سکے خدا کا شکر ہے اوراقِ عصمت ہمیشہ پاک رہے۔ زنانہ مسائل پر عصمت نے نہایت مفصّل اور مدلّل بحثیں کیں جو خواتین میں بہت مقبول ہوئیں۔ لیکن متانت وقار تہذیب شائستگی سنجیدگی کو عصمت نے سب سے پہلے ملحوظ رکھا۔ لڑکیوں کی تعلیم ان کے شرعی حقوق بچوں کی تربیت۔ فرائض کی ذمّہ داری۔ معاشرتی اصلاح۔ مغربی تقلید۔ مشرقی خوبیاں غرض مختلف موضوعوں پر مختلف الخیال خواتین و حضرات نے رائے زنی کی۔ عصمت کی جہاں یہ خصوصیت رہی کہ اس نے اس بات کی کوشش کی کہ کوئی ایسی بحث نہ چھڑے جو فریقین کو ناگوار گزرے اور جس کا کسی جماعت کے عقائد پر اثر پڑے وہاں اس کا کوئی مضمون ذاتیات سے بھی آلودہ نہ تھا۔ عصمت نے کوئی بحث چھیڑی تو پہلے اس پر غور کر لیا کہ ہندوستانی خواتین کے لئے یہ کہاں تک مفید ہو سکتی ہے۔

مثال کے طور پر میں صرف ایک بحث کا حوالہ دیتا ہوں۔ غالباً سنہ ۳۱ء کا ذکر ہے کہ مرزا عظیم بیگ چغتائی نے یہ تجویز پیش کی کہ ہندوستانی خواتین کی صحت کے لئے مناسب ہے کہ وہ بھی اب مغربی خواتین کی طرح سر کے بال کترواکر بوبڈ ھیر یا پٹھے رکھیں۔ حقوقِ نسواں اور اصلاح نسواں کے سلسلہ میں حضرت والد مغفور نے اور عصمت نے ساری عمر مُسلمانوں کی گالیاں کھائیں۔ تنگ خیال اور کوتاہ بیں طبقہ کی طرف سے اس موقع پر بھی عصمت کے خلاف ایک خاصہ فتنہ برپا ہونے کا اندیشہ تھا مگر میری رائے میں اس مضمون کی اشاعت بے انتہا ضروری تھی کیونکہ جو قوم حاکم ہوتی ہے اس کا ہر فعل اور ہر طریقہ محکوم قوم کی نگاہ میں مستحسن اور اس لئے قابلِ تقلید ہوتا ہے۔ مدرسوں اور کالجوں میں پڑھنے والی لڑکیاں اپنی یورپین اُستانیوں کی بود و باش کے طریقوں میل جول کے اُصولوں اور لباس کی وضع قطع طرز گفتگو آزادی اور بے باکی کے مشاہدوں اور ان کے خیالات کا ممکن ہی نہیں کہ کچھ نہ کچھ اثر قبول نہ کریں، ان کا تھوڑا بہت پرچھاواں پڑنا لازمی اور ضروری ہے جب روزمرّہ انکی بال کتری اُستانیاں اُن کے سامنے آئیں گی اور کبھی کبھی اِدھر اُدھر کی باتوں میں بال کتروالنے کے فائدے بھی بیان فرماتی رہیں گی تو پانی بھی بار بار پڑنے سے پتھر میں جگہ پیدا کرلیتا ہے یہ تو نا تجربہ کار لڑکیوں کے نرم دل ہوئے، اسی طرح شادی شدہ قدامت پرست لڑکیوں کو کم مگر مہذّب ترقی یافتہ، جدّت پسند بیبیوں کو اکثر سینما میں دیکھنے یا اپنے شوہروں اور بھائیوں کے ملنے والوں کی بیویوں کو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ بہر حال کوئی فائدہ تو ہوگا ہی جو اُنہوں نے بال کتروا ڈالے۔ دنیا کا بڑے سے بڑا جرم بھی سب سے پہلے ایک ہلکے سے خیال کی صورت میں پیدا ہوتا ہے اور جس طرح پہلے ایک ننھّا سا بیج پھوٹتا اور پھر آہستہ آہستہ جڑ پکڑنی شروع کردیتا ہے

اسی طرح خیالات مضبوط ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اگر بال کٹروانے میں فائدے کم اور نقصانات زیادہ ہیں تو اس سے پہلے کہ عقل رہنمائی کرکے نقصانات کو نمایاں کرے، دل ظاہری فائدوں کی طرف کھچا چلا جاتا ہے اس پر غور نہیں کیا جاتا کہ فلاں شخص نے جو یہ طریقہ اختیار کیا تو کیوں؟ بال کٹروانے کا خیال گذشتہ دس سال میں سو پچاس نہیں ہزاروں ہی عورتوں کے دل میں پیدا ہوا، اور میرے علم میں ہیں کئی مسلمان بیبیاں جنہوں نے بال کٹروا بھی ڈالے، ان کا شوق تھا یا ضرورت اور اچھی تھی یا بری مجھے اس سے بحث نہیں لیکن بجائے اس کے کہ حاکم قوم کی اندھی تقلید محکوم قوم کرے یہ زیادہ بہتر ہے کہ جو بات کشش پیدا کر رہی ہو اس کے دونوں پہلوؤں کو خوب اچھی طرح سے واضح کر دیا جائے۔ اور پھر اگر اس میں فائدے زیادہ نظر آئیں اور وہ ہمارے حسب حال ہو سکے اور ہم اسے نبھا بھی سکیں تو شوق سے اختیار کریں۔ اس خیال کے بموجب میں نے اپنے نوٹ کے ساتھ اس مضمون کو بہت خوشی کے ساتھ درج رسالہ کرکے ہر خیال کے طبقہ کی خواتین اور حضرات کو رائے زنی کرنے کی دعوت دی۔ چار پانچ ماہ یہ بحث چلی اور چند خاص خاص اصولوں کو پیش نظر رکھ کر ڈھائی تین درجن مضامین اور خطوط اس سلسلے میں شائع کئے گئے۔ عصمتی بہنوں کے سامنے تصویر کے دونوں رُخ آ گئے۔ جو خیال ان کے دل میں پہلے پیدا ہوا ہو گا یا آگے جا کر پیدا ہوتا وہ اس پر غور کر سکیں عصمت نے اسے نہایت تفصیل کے ساتھ پیش کر دیا اور پڑھنے والیاں اندھی تقلید کرنے کی بجائے اپنے حالات کے اعتبار سے ایک نتیجہ پر پہنچ گئیں اور مناسب فیصلہ کر سکیں۔

اسی طرح گذشتہ سال ایک مسلمان گریجویٹ بہن کا ایک نہایت سخت مضمون شائع ہوا جس میں انہوں نے قدامت پرستی کے خلاف بہت کچھ لکھا اور مغربی تہذیب کی تعریف فرمائی، بقول ایک محترم دوست کے عصمت اس قسم کے مضامین

ہرگز برداشت نہ کرسکتا تھا لیکن جو خیالات ان بہن کے تھے اور بھی بہت سی بہنوں کے ہیں اور اس لئے عصمت کو اس مسئلہ پر بھی بحث کرنی ضروری تھی۔ اس موضوع کی مخالفت میں بھی اور موافقت میں بھی کافی مضامین شائع ہوئے اور عصمتی بہنوں کو فریقین کے خیالات معلوم ہونے کے بعد خود ایک فیصلہ کرنے کا موقع دیا گیا۔

مضامین کی سختی کے سلسلے میں جن بہنوں نے ابا جان فردوس آشیاں سے شکایت کی، اُنہوں نے بعد میں تسلیم کرلیا ہوگا کہ میری سختی میرے ذاتی فائدے کے لئے نہیں عصمتی بہنوں ہی کے فائدے کے لئے تھی، میں نے اپنے لئے جو اُصول مقرر کرلئے تھے یا جن پابندیوں میں اپنے تئیں جکڑ دیا تھا ان پر میں سختی سے اس لئے بھی عمل کررہا تھا کہ حضرت والد مغفور میری حوصلہ افزائی فرمارہے تھے اور میری کمر اس قدر مضبوط تھی کہ مجھے کسی چیز کی مطلق پرواہ نہ تھی۔ میں کسی شخصیت سے کبھی مرعوب ہوا نہ کسی ہنگامی جذبہ کے تحت میں بہکے ہوئے کسی ایسے مضمون کو شائع کیا جس سے عصمت کو تو کچھ فائدہ پہنچ سکتا تھا لیکن عصمتی بہنوں کو قطعی کوئی فائدہ نہ پہنچ سکتا تھا۔ میں دو ایک واقعات بھی بیان کردیتا ہوں جن سے معلوم ہوسکے گا کہ جب ابا جان خلد آشیاں کا مقدس اور بابرکت سایہ میرے سر پر سلامت اور قایم تھا تو میں کس شان سے پرچہ مرتب کررہا تھا۔

سنہ ۱۹۱۱ء میں عصمت کی مشہور مضمون نگار محترمہ زہرہ بیگم فیضی کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں اُنہوں نے والیان ریاست کے ان مظالم پر آنسو بہائے جو وہ اپنی بیگمات اور رانیوں کے ساتھ روا رکھتے ہیں۔ ہندوستان کی کئی ریاستوں میں راجاؤں اور نوابوں کا اپنی بیویوں کے ساتھ جو سفاکانہ ظالمانہ اور وحشیانہ سلوک ہے۔ چونکہ مجھے ذاتی طور پر ان کا کچھ علم تھا اور چونکہ جو واقعات اس مضمون میں لکھے گئے

تھے وہ تھوڑے بہت معلوم بھی تھے اس لئے میں نے فوراً اس مضمون کو درج رسالہ کردیا۔ اس کے جواب میں میرے پاس تین ریاستوں سے مضامین آئے مگر چونکہ ضمیر کو مجروح کرکے اور ایمان نگل کر، حقوق نسواں کی پامالی کی حمایت میں لکھے گئے تھے میں نے ان کی اشاعت سے صاف انکار کردیا۔ اور ناقابلِ اشاعت مضامین کی فہرست میں بھی غالباً ان مضامین کے عنوانات درج کردئے، اس سلسلہ میں دو صاحب دہلی آئے اور مجھے مرعوب کرنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکے۔ ان کی عنایات کا شکریہ ادا کرکے میں نے عرض کردیا کہ عصمت ان کی تائید نہیں کرسکتا۔ اور بہت سے زنانہ پرچے ہیں۔ اس جواب کا نقصان عصمت کو جو پہنچ سکتا تھا وہ زیادہ سے زیادہ یہی ہوسکتا تھا کہ قسم خاص کے جو رسالے یہ ریاستیں خرید رہی تھیں وہ بند کردیتیں۔ چنانچہ وہ پرچے بند بھی کردئے گئے مگر عصمت اپنے اُصول سے نہ ہٹا۔

عصمت کی ایک مشہور مضمون نگار بہن کا ایک دفعہ ایک مضمون کثرتِ ازدواج کی موافقت میں موصول ہوا تو مجھے بے انتہا تعجب ہوا تھا کہ کس طرح ان کے قلم سے یہ مضمون نکلا۔ کیونکہ حقوق نسواں کی حمایت میں اکثر ان کے مضامین دوسرے پرچوں میں بھی شائع ہوئے تھے۔ مضمون کچھ ایسا مدلّل بھی نہ تھا لیکن مؤثر کسی حد تک ضرور تھا، یہ مضمون میں نے شائع نہیں کیا اور اس کے متعلق اُنہوں نے کئی مرتبہ دریافت فرمایا تو میں نے اس کا جواب بھی نہ دیا۔ یہ بہن مجھ سے سخت ناخوش ہوچکی تھیں اور انہیں مجھ سے ہرگز یہ توقع نہ تھی کہ میں ان کے ایسے "ضروری" مضمون کی اشاعت میں اس قدر تاخیر کردوں گا۔ مگر کچھ مدت بعد جب میں نے اپنے خط میں ان کے اس مضمون پر اپنی حیرت اور استعجاب کا اظہار کیا تو ان کا جو خط حضرت والد مغفور کے نام موصول ہوا۔ وہ عورت کی مجبوری بے کسی اور بے بسی کا آئینہ تھا۔ مضمون ان کے شوہر نے اُن سے لکھوایا تھا اور اطاعت شوہر کی مجسّم تصویر نے

صرف شوہر کی خوشنودی کے لئے اپنے خیالات کے قطعی خلاف مرد کے نکاح ثانی
کی پُر زور حمایت صرف اس لئے کی تھی کہ ان کے شوہر دوسری شادی کر رہے تھے۔

سنہ ۳۲ء

اس دور میں سنہ ۳۲ء سب سے زیادہ کامیاب سال تھا نہ صرف اس اعتبار سے
کہ سب سے زیادہ کتابیں اس سال شائع ہوئیں اور عصمت بکڈپو کی آمدنی پہلے سے
کافی زیادہ ہوگئی بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ عصمت کی مالی حالت اب قابلِ اطمینان
ہوگئی تھی۔ پہلے کتابوں کی آمدنی سے عصمت کو مدد مل رہی تھی مگر اب باوجودیکہ
مضمون نگاروں کو انعامات اور معاوضہ ہزار بارہ سو روپیہ سالانہ دیا جا رہا تھا عصمت
سے کچھ نہ کچھ روپیہ بچ رہا تھا۔ اور مستقل اشاعت چار ہزار سے اُوپر پہنچ گئی تھی۔
مضامین کی کثرت کی وجہ سے رسالہ کا ایک چوتھائی حصہ اور بعض بعض ماہ اس سے
بھی زیادہ صفحات باریک لکھوا کر زیادہ سے زیادہ مضامین اسی سال سے چھپنے
شروع ہوئے جو سنہ ۲۸ء سے قبل یعنی پرانے سائز کے ڈیڑھ سو صفحوں کے برابر
ہوتے تھے۔

مضمون نگارانِ عصمت

اب عصمت ترقی کی اس منزل پر پہنچ چکا تھا کہ اس کے مضمون نگاروں
کی تعداد نسوانی پرچوں کا تو ذکر ہی کیا مردانہ ادبی رسالوں کے مضمون نگاروں
سے بھی بہت زیادہ تھی۔ عصمت کے اس دور میں قدیم مایۂ ناز لکھنے والیوں
مثلاً محترمات صغرا ہمایوں مرزا۔ زہرہ فیضی۔ نذر سجاد حیدر۔ حامدہ بیگم الحمیری۔
سلطان بیگم کے علاوہ ملک کی بہترین لکھنے والی خواتین کی نہایت معقول جماعت

عصمت کی مضمون نگاری کر رہی تھی محترمات نوشابہ خاتون قریشی بی اے فاطمہ بیگم منشی فاضل۔ مصنفہ "غیرت کی پتلی" وغیرہ۔ امتہ الوحی مصنفہ "شہید وفا" رفیعہ کرمانیہ (اس۔آر کے) مصنفہ "نیرنگ" و۔ا۔ (بلقیس بیگم) مصنفہ "خانہ داری کے تجربات" مسز برلاس (اشرف جہاں بیگم دہلوی) مصنفہ "نغان اشرف" خدیجہ بائی مؤلفہ "سلمہ ستارہ کا کام"۔ خورشید آرا بیگم منشی فاضل۔ ادیب فاضل۔ سردار محمدی بیگم نواب قمر جہاں بیگم۔ ظفر جہاں بیگم مصنفہ "اختری بیگم" تہذیب فاطمہ عباسی جمیلہ بیگم مصنفہ "فیروزہ" ح۔ا۔ ابو۔ فاطمہ انور علی مؤلفہ "عصمتی کروشیا" حجاب اسمٰعیل مصنفہ "ادب زریں" فاطمہ بیگم منشی لکھیم پور۔ محمدی بیگم بی۔اے۔ نور جہاں بیگم ناز۔ بغدادی بیگم۔ جہاں بانو۔ بیگم نقوی بی اے مصنفہ "پرواز خیال" علیا ظفر وغیرہ کے مضامین اور نظمیں وقتاً فوقتاً شائع ہوتی اور قبولیت عام کا خلعت حاصل کرتی رہیں۔ عصمت خواتین میں مضمون نگاری کا شوق پیدا کرنے کی جو کوشش کر رہا تھا۔ اس سلسلہ میں ۱۹۲۶ء سے جنت مکانی خاتون کی یادگار میں ہر سال مضمون نگار بیبیوں کو بہترین مضامین پر معقول انعامات بھی نقد روپیہ کی صورت میں دے رہا تھا' اس سے بھی عصمت کو اپنے اس مقصد کی کامیابی میں مدد ملی۔ ان انعامات نے بھی لڑکیوں کی حوصلہ افزائی کی اور لکھنے والیوں کی ایک کثیر جماعت پیدا ہوگئی۔ عصمت کا یہ وہ دور تھا جس میں ہر حصہ ملک میں عصمت کی مضمون نگار خواتین کے بہت کافی نام گنوائے جا سکتے ہیں۔ عصمت کی جن مخصوص مضمون نگار خواتین نے اپنی مفید مصروفیات سے وقت نکال کر اپنے گراں بہا خیالات اور تجربوں سے اپنی ہزاروں بہنوں کو مستفید فرمایا اور زیادہ سے زیادہ مضامین لکھ کر عصمت کی گراں بہا امداد فرمائی ان میں محترمات کنیز محمد بیگم منشی فاضل۔ شہر بانو مہر النساء۔ فاطمہ خیری برلنی۔ عائشہ بیگم مسز غلام رسول۔ مسز فضلی۔ مسز یوسف انور

عطیہ نصرت خانم - انیس فاطمہ بنت ببوق - بیگم کپتان نصیر الدین احمد -
خورشید اقبال حیا - سلطانہ آصف - ہر ہائنیس نواب فاطمہ صدیقہ - ممتاز رفیع
امتہ الحفیظ - ایس بی طاہرہ - ایس کے صغرا سبزوار یہ - بلقیس جمال - رابعہ پنہاں
مرحومہ حمیدہ خانم ایم اے - غدیر فاطمہ - شائستہ اختر بانو سہروردی بی اے (آنرس)
تہذیب النسا بی اے - مریم یوسف علی بی اے - سکینہ چراغ الدین بی - اے -
رحمت النسا بیگم بی اے کے نام بہت ممتاز ہیں - ان خواتین کے اکثر و بیشتر مضامین
عصمت میں غیر معمولی پسندیدگی سے دیکھے گئے اور قابل قابل مردوں نے
ان کی تعریف کی - ان محترم خواتین کے متعدد مضامین اپنے موضوع پر بہترین
اور اس لئے خاتون اکرم عصمتی انعامات کے مستحق قرار دئے گئے علاوہ ازیں ان
میں سے کئی بہنوں کے بعض بعض سال سب سے زیادہ مضامین شائع ہوئے متعدد
خواتین کی اس جماعت کے علاوہ بھی عصمت نے کئی درجن لکھنے والیاں پیدا کیں
جن کے مختلف موضوعوں پر مفید معلومات سے پر نتیجہ خیز دلچسپ مضامین معقول
تعداد میں شائع ہوئے - ان بیبیوں میں محترمات صالحہ خاتون پانی پتی - جلیلہ
خاتون بدایونی - بیگم اصغر حسین لکھنوی - ب - ن ابراہیم مدراس - ام عاصمہ گلبرگہ
حمیدہ نذیر - لطف النسا بیگم - مسز حمید - شرافت بیگم ادیب فاضل - گ - ن کپور تھلہ
نزہت افضل - سرور جہاں رعنا - حفیظ جمال - بشیر النسا بیگم بشیر - افضل النسا بیگم
چوہی - بیگم یار محمد - بیگم حفاظت علی - رضیہ دل شاد - اختر خانم بند رعباس - سلیمہ
مرتضیٰ بی اے - آر - بی - آمنہ نازلی - اے - آر بیگم ظہیر الدین دہلوی - ر - س
شہر آرا بیگم - قیصرہ بیگم کلکتہ - معتصمۃ الرحمن - منظور مبارک علی - نشاط افزا -
عالم آرا بیگم - رقیہ بیگم - راجکماری جھینگن - کرشن کماری - مسز مجیب دہلی -
مسز گرراج بہاری ماتھر - کستوری دیوی - عابدہ بیگم رعنا - ادریس بیگم -

شمسہ شمع ۔ لطیمہ بیگم ۔ مس بیگم قریشی ۔ مس نقی الحسن ۔ تسنیم فردوس ۔ رضیہ ناصرہ سلطان بیگم ک ۔ خاتون ۔ مرحومہ حلیمہ خاتون ۔ عطیہ سعید ۔ اسمار سعید آر ۔ کے ۔ کنیز فاطمہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں ۔

ان میں بعض بہنوں نے شادی ہوجانے کے بعد بعض نے خرابی صحت کی بنا پر اور بعض نے خانہ داری کی مصروفیات بہت زیادہ بڑھ جانے کی وجہ سے مضامین لکھنے چھوڑ دیئے لیکن کثرت ان خواتین کی ہے جنہوں نے اپنی بہنوں کی اصلاح اور ترقی کے لئے مضامین لکھنے شروع کئے تو باوجود دُنیاوی افکار اور ذمہ داریوں کی ادائگی کے انہماک کے جب موقع ملا عصمت کے لئے وقت نکالکر کچھ نہ کچھ لکھتی رہیں ۔

مضمون نگار مردوں کی جو کثرت پانچ سات سال سے ہے پندرہ بیس سال قبل نہ تھی لیکن جس طرح اُس زمانہ میں منتخب اہلِ قلم حضرات کے مضامین شائع ہورہے تھے ۔ اسی طرح اِس دَور میں بھی اُن حضرات سے خاص طور پر لکھوایا گیا جو خواتین کے مذاق اور مطلب کے مضامین لکھنے کی قدرت اور انکی اصلاح و ترقی کا دل میں درد رکھتے ہیں، مضمون نگارانِ عصمت میں پروفیسر ستار خیری ام اے ۔ کپتان ڈاکٹر نصیر الدین احمد صاحب ۔ مولوی محمد ظفر صاحب ام اے ۔ لالہ تلوک چند محروم بی اے ۔ مولوی سید راحت حسین صاحب بی اے ۔ ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی ۔ مولوی عبد الغفار صاحب الخیری منشی پریم چند صاحب بی اے ۔ مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب بی اے ۔ پروفیسر سید علی عباس صاحب حسینی ام اے ۔ افسر الشعرا حضرت آغا شاعر قزلباش دہلوی ۔ مولانا محوی صدیقی ۔ ڈاکٹر اعظم کریوی ۔ حضرت امداد عظیم آبادی ۔ حضرت عشرت لکھنوی ۔ وغیرہ وہ حضرات ہیں جن کے مضامین حاصل کرنے کی اُردو رسائل انتہائی کوشش

کرتے رہتے ہیں ۔ یہ وہ منتخب حضرات ہیں ۔جنہیں مسائل نسواں سے دلچسپی ہے
اور اپنے اپنے رنگ میں خوب لکھتے ہیں ان حضرات کے مضامین بالعموم اور کسی
زنانہ پرچے میں نہیں چھپتے لیکن عصمت کے مخصوص لکھنے والے ہیں اور عصمت
کے ذریعہ ہندوستانی بیبیوں کی قابلِ قدر خدمات انجام دے رہے ہیں عصمت
کا یہ دَور جن بزرگوں کی نظموں اور مضامین سے مزیّن ہے ان میں افسوس
حضرت عزیز لکھنوی ۔حضرت خواجہ ناصر نذیر فراق دہلوی ۔ مولانا عبدالحلیم شرر
منشی عبدالخالق خلیق دہلوی ۔اور میر باقر علی داستان گو۔ اس دنیا سے اُٹھ
گئے ۔ خدا ان سب کی مغفرت فرمائے ۔ ان کے پاکیزہ خیالات اوراقِ عصمت
پر اب ان کی یادگار باقی ہیں۔

اُس زمانہ کے مضمون نگاروں میں مولوی نصیرالدین ہاشمی ۔ مسٹر
ضیاءالدین احمد برنی بی اے ۔مولانا اسعدالاشرفی عرشی دہلوی ۔خانصاحب
مولوی عبدالغفور خاں صاحب ۔حضرت امام اکبرآبادی ۔ جے آر رائے صاحب۔
پروفیسر طاہر رضوی ۔حضرت محمود اسرائیلی ۔ مرزا عظیم بیگ صاحب چغتائی پروفیسر
طاہر جمیل ۔مرزا عثمان اشرف گورگانی ۔ قاری محمد عباس حسین صاحب دہلوی اور سید
ابو نعیم صاحب فریدآبادی جیسے مشہور اہل قلم حضرات کے مضامین بھی وقتاً فوقتاً شائع
ہوئے اور دلچسپی کیساتھ مطالعہ کئے گئے ۔ ان کے علاوہ کچھ اور حضرات بھی قابلِ ذکر
ہیں جنہوں نے نسوانی پرچوں میں سب سے پہلے عصمت میں لکھا یا عصمت سے
مضمون نگاری شروع کی اور آج خدا کے فضل سے اُردو رسائل کے مقتدر اور مقبول
لکھنے والوں میں ان کا شمار ہوتا ہے ۔مثلاً صاحبزادہ ولی احمد خانصاحب ام اے ام الف
مولوی سید محمود الحسن صاحب صدیقی بی اے ۔مسٹر عبدالحی عباسی بی اے ۔مولوی
عبدالرحمٰن کاکوروی بی اے ۔ سید رضا احمد صاحب جعفری ۔مولوی عشرت رحمانی

ام اداں۔ نقی علی صاحب یاسمی۔ مولوی سید منتخب الدین شمسی ام اے۔ مسٹر مفتاح الدین ظفر بی ایس سی۔ سید ابو طاہر صاحب داؤد بی ایس سی ڈاکٹر ممتاز حسین صاحب۔ مولوی اقبال احمد وغیرہ۔

مضمون نگارانِ عصمت (عورتوں اور مردوں) کے جو نام مندرجہ بالا فہرستوں میں دیئے گئے ہیں ان سے دوگنی تعداد میں اور مضمون نگاروں کے نام بھی ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۵ء تک کی جلدوں میں نظر آئیں گے۔ لیکن یا تو انہوں نے مستقل مضمون نگاری نہیں کی یا ان کی تحریروں میں کوئی قابلِ ذکر خصوصیت نہیں۔

سال میں ایک ماہ کی چھٹی

۱۹۲۱ء سے عصمت کے سال میں گیارہ پرچے شائع ہوتے رہے۔ دس عام نمبر اور گیارہواں سالگرہ نمبر جس پر لاگت گو تین ماہ کے پرچوں سے بھی زیادہ کی آتی تھی مگر وہ ماہ جولائی اگست کا اکھٹا پرچہ ہوتا تھا اس طرح خریداروں کو تو ۸۰ صفحے ماہوار کے حساب سے ۱۲ ماہ کے ۹۶۰ سے بھی زیادہ قریباً ۱۱۰۰ سو صفحے مضامین کے مل رہے تھے لیکن خاکسار ایڈیٹر کم وبیش ایک ماہ کی چھٹی ہر سال لے رہا اور دلی سے باہر گذار رہا تھا۔ کاروباری حضرات اور بالخصوص اخبارات اور رسالے والے اکثر اپنے پرچوں کے سلسلہ میں دورہ کرتے ہیں۔ میں کبھی مہینہ ڈیڑھ مہینہ کیلئے دورہ پر جاتا تھا مگر یہ دورہ میرے کاروبار کے لئے نہ ہوتا تھا۔ تجارتی اصولوں کی پابندی کے ساتھ میں کبھی کام نہ کر سکا۔ میرے ایک ماہ یا سوا ماہ باہر رہنے سے جو نقصان ہوتا تھا وہ پرچوں کے جدید خریدار پیدا کر کے یا کتابوں کی فرمائشیں حاصل کر کے یا سرکاری طور پر کتابوں کی خریداری کیلئے کوشش کرنے سے یعنی مدارس وغیرہ کیلئے اپنی کتابیں منظور کرا کے بآسانی اس کی کسر نکال سکتا تھا بلکہ

نقصان سے زیادہ منافع کی صورت نکلتی رہتی۔ لیکن سوائے ایک آدھ دفعہ کے میں نے کبھی یہ پسند نہ کیا اور وہ ایک دفعہ کا قصہ یہ ہے کہ ۱۹۲۷ء میں بہار منسٹری نے ترقی اردو کے سلسلہ میں بہ حیثیت ماہر اردو شمالی ہند سے حضرت والد مغفور کو بلایا۔ جنت مکانی محترمہ خاتون اکرم کے انتقال کے بعد یعنی ۱۹۲۵ء سے حضرت والد مغفور دو روز کے لئے بھی کبھی باہر تشریف لے گئے تو میں ان کی خدمت میں حاضر رہا۔ چنانچہ اس موقع پر بھی میں ان کے ساتھ تھا۔ وہ کمیٹی کے اجلاس میں مصروف تھے اور میں ان سے اجازت لے کر سید عبدالحمید صاحب کے ہاں پہنچا جو پٹنہ جدید میں کسی انگریزی دفتر میں ملازم تھے۔ بعض بڑے بڑے حضرات کے متعلق سنا تھا کہ انہوں نے اپنے پرچوں کے خریدار پیدا کرنے کے لئے دورے کئے اور بہت اچھی کامیابی ہوئی۔ دو تین حضرات سے اس سلسلے میں مجھے بھی ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ جب مشہور اور نامور اڈیٹروں نے خریداروں کے لئے دورے کئے تو کیا ہرج ہے میں بھی ایک دفعہ کوشش کر کے دیکھوں، چنانچہ سید صاحب سے ملا اور ان سے خواہش کی کہ آپ اپنی بیگم صاحبہ کو میرے آنے کی اطلاع دیدیجے اگر ان کی رائے عصمت کے متعلق اچھی ہو تو ان سے فرمایئے کہ عصمت کا اڈیٹر اس غرض سے آپ کے پاس آیا ہے کہ پرچہ کو کچھ خریدار عنایت فرمایئے۔ لیکن یہ بھی کہدیجے کہ کل میں جا رہا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد سید صاحب مسکراتے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا حضرت آپ نے مجھے باندھ دیا۔ بیگم صاحبہ آپ کے پرچہ کی بہت مداح ہیں اور اس کی اشاعت بڑھانا اپنا فرض سمجھتی ہیں لیکن وقت تو آپ بالکل ہی نہیں دے رہے تاہم اس خدمت کیلئے مجھے مامور کیا گیا ہے۔ سید صاحب خلیق ہنس مکھ باذاق اور معاملہ فہم انسان ہیں اور خدا جانے آجکل کہاں ہیں۔ وہ وقت مجھے آجتک یاد ہے کہ انہوں نے اسی روز دفتر کی چھٹی لی اور

اپنے ملنے والوں کے پاس مجھے لیکر گئے' میں نے ان سے یہ کہدیا تھا کہ رسالہ کا چندہ میں کسی صاحب سے نہ لونگا۔ صرف آرڈر دلوا دیجئے' شام تک سید صاحب نے چالیس[۴۰] کے قریب آرڈر دیکھے جو دہلی بھیجدیئے گئے۔ اور ان میں سے سینتیس[۳۷] یا اڑتیس[۳۸] نے وی پی وصول کرلئے' اس تجربہ کے بعد چاہیئے یہ تھا کہ میں ہر سال جب دہلی سے باہر جاتا تو خریدار پیدا کرنے کی کوشش کرتا اور ایک ایک مہینے اور سوا سوا مہینے کے دورہ میں دو دو سو تین تین سو نئے خریدار ہر سال پیدا کرلیتا۔ مگر پٹنہ میں جو کوشش کیگئی تھی یہی سب سے پہلی اور یہی سب سے آخری کوشش تھی۔ اس کے بعد دہلی سے جب باہر جانا پڑا مدرسہ کے سلسلہ میں۔ حضرت والد مغفور اگست ستمبر میں جب تربیت گاہ میں چھٹیاں ہوتی تھیں کسی صوبہ کا دورہ فرما کر عصمتی بہنوں اور بناتی بچیوں کو تربیت گاہ بنات پر متوجہ فرماتے تھے۔ انہوں نے عام چندہ کبھی پسند فرمایا نہ کسی ایسے شخص سے مدرسہ کی مالی مدد کی خواہش فرمائی جو ان کی خدمات یا تربیت گاہ سے قطعی ناواقف تھا۔ ان دوروں میں والدہ صاحبہ ہمیشہ ان کے ساتھ ہوتی تھیں۔ اس کی ایک وجہ تو ان کے ہی الفاظ میں یہ تھی کہ :۔

"میں صرف مردوں تک پہنچ سکتا ہوں۔ مدرسہ کی کیفیت اور بچیوں کی حالت مستورات کو بیگم راشد الخیری ہی بتا سکتی ہیں۔ مائیں خواہ مفلوک الحال ہوں یا خوش حال جب تک اپنا اطمینان نہ کرلیں اور یہ نہ دیکھ لیں کہ ہم اپنا کلیجہ کا ٹکڑا جس عورت کے سپرد کر رہے ہیں وہ کس طبیعت اور کس عادت کی ہے اس وقت تک بچیوں کو کس طرح بھیج سکتی ہیں"۔

ایک دوسری وجہ یہ تھی کہ ابا جان والدہ معظمہ سے زیادہ دن تک علیحدہ نہ رہ سکتے تھے۔ تربیت گاہ کی ضرورتوں سے انتہائی مجبور ہوکر دلی سے باہر گئے

تو دو چار روز سے زیادہ جی نہ لگا ان کا اور چند روزہ قیام کتنا ہی ضروری ہوتا مگر فوراً واپس آجاتے۔ والدہ معظمہ کے ہمراہ ہونے سے دو چار دن کیا ایک ایک مہینہ بلکہ ڈیڑھ ڈیڑھ مہینہ کے طویل دورے اطمینان کیساتھ کئے۔ گویا والدہ معظمہ کا ساتھ ہونا اسی اعتبار سے بھی مدرسہ کیلئے نہایت مفید ثابت ہو رہا تھا۔ روپیہ ابا جان کی شخصیت کو مل رہا تھا اور خوشحال و کم استطاعت اور یتیم و نادار بچیاں اماں جان کیوجہ سے مدرسہ میں بہ حیثیت بورڈر کے آرہی تھیں۔ دو چار نہیں بیسیوں بچیاں مختلف صوبوں کی محض والدہ معظمہ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے تربیت گاہ میں آئیں۔

بڑھاپے میں معمولی سفر بھی کافی تکلیف دہ ہوتا ہے۔ یہ دورے تو دور دراز صوبوں اور شہروں کے ہوتے تھے اور مسلسل بیس بیس چوبیس چوبیس گھنٹوں کے، اور بڑے بڑے شہروں ہی کے نہ ہوتے تھے جہاں موٹر اور ربڑ ٹائر گھوڑے گاڑیاں ملجاتی ہیں بلکہ بعض اوقات قصبوں اور قریوں کے بھی ہوتے جہاں یکے بیل گاڑیاں سگھڑ وغیرہ میسر آتیں۔ پھر ادھر تو ابا جان کو کبھی کبھی اختلاج قلب کی شکایت ہوتی اور زیادہ چلنے پھرنے کے سبب جوڑ جوڑ دکھ جاتا تھا۔ ادھر اماں جان کو گال اسٹون کی شکایت تھی اور ڈاکٹر کی یہ تاکید تھی کہ کسی اونچے زینے پر نہ چڑھیں۔ کوئی بوجھ نہ اٹھائیں اور گاڑیوں کے جھٹکوں اور ہچکولوں سے محفوظ رہیں۔ پھر ریل کی تکالیف اور زندگی کے اس آخری دور میں جب غذا میں انتہائی احتیاط کیجاتی ہے، مختلف مقامات کے مختلف کھانوں کا بھی صحت پر اثر پڑنے اور بیمار ہو جانے کا اندیشہ رہتا تھا غرض ان حالات میں میرے لئے قطعی ناممکن تھا کہ میں اپنے ضعیف والدین سے علیحدہ رہ سکتا۔ میں انکی اور صرف انکی خدمت کیلئے مہینہ ڈیڑھ مہینہ کیواسطے دفتر سے غیر حاضر ہوتا تھا میری عدم موجودگی میں دفتر کے انتظامات میں کچھ فرق آجاتا یا کچھ مالی نقصان ہوتا تو میری تیوری پر بل بھی نہ آتا تھا کیونکہ پیدا کرنیوالے نے ماں باپ کی خدمت و اطاعت کا جو فرض مجھ پر عاید کردیا تھا اس کی ادایگی اور رنجیر

واپسی کی خوشی اس نقصان سے کروڑوں گنی زیادہ قیمتی ہوتی تھی۔

میں نے اپنے والدین کے ساتھ آدھے سے زیادہ ہندوستان دیکھ لیا۔ اگر تجارتی مقصد میرے سامنے ہوتا تو ہر دورہ میں عصمت و بنات کیلئے دو دو سو چار چار سو خریدار بنا لینے اور ڈیڑھ دو ہزار روپیہ کی کتابوں کی فرمائشیں حاصل کر لینی کچھ بھی مشکل نہ تھیں۔ ہر دورہ میں با آسانی دس بارہ صفحوں کے اشتہارات بھی مل سکتے تھے اور ہر شہر کے بڑے بڑے تاجرانِ کتب سے بلکہ عصمت بکڈپو کی آمدنی بھی بہت کچھ بڑھائی جا سکتی تھی۔ اس مضمون کے پڑھنے والوں کو یہ معلوم ہو کر تعجب ہوگا کہ باوجود کامیابی کے تمام مواقع موجود ہونے کے میں نے نہ کبھی کوئی اشتہار حاصل کیا نہ کسی تاجر سے کوئی فرمائش لی۔ نہ محکمہ تعلیم کے کسی افسر سے اپنی مطبوعات مدارس اور کتب خانوں کیلئے منظور کرانیکی کوشش کی نہ کسی صاحب سے کسی کتاب کے خریدنے کی خواہش اور نہ رسالوں کے خریدار فراہم کرنیکی کسی صاحب سے درخواست کی۔ ہاں بعض سچی قدردان عصمتی بہنوں نے خود ہی عصمت کی توسیع اشاعت کی ضرورت محسوس فرما کر اپنے مردوں سے مجھے پانچ سات جگہ لیجانیکی خود خواہش کی تو میٹنگ میں ساتھ ہو لیا یا دورانِ گفتگو میں کبھی عصمت کا ذکر آگیا اور پرچہ جاری کرنے کا خیال ظاہر کیا گیا تو بھی میں نے چندہ کی رقم اسی وقت وصول کرنے کی بجائے وی پی کیلئے پتہ لکھ کر دہلی بھیج دیا۔ البتہ کبھی کبھار ایسا بھی ہوا ہے کسی صاحب نے اپنی کفایت اور آسانی کیلئے خود ہی بہت اصرار فرمایا تو میں نے سالانہ چندہ وصول کر لیا لیکن ایسا بہت کم ہوا۔

اللہ اللہ کیا دن تھے جنکی یاد کلیجہ توڑ رہی ہے۔ اور کیا راتیں تھیں جنکا خیال دل کے ٹکڑے اُڑا رہا ہے۔ دولت ثروت نہ تھی، جائداد املاک نہ تھی، روپیہ پیسہ کا پھیر نہ تھا، چاندی سونے کا ڈھیر نہ تھا۔ لیکن ابا جان کی زندگی ایک ایسی نعمت تھی جس کے سامنے قارون کا خزانہ بھی ہیچ تھا۔ دل خاتون جیسی شریک حیات کا داغ اٹھا چکنے کے باوجود ہر وقت خوش رہتا تھا اور دماغ مستقبل کے افکار سے محفوظ، اطمینان اور بے فکری کا لطف

اُٹھا رہا تھا۔ اس شان اور وضعداری کے ساتھ دورہ کے یہ سات آٹھ سال گذرے بعض احباب تو تعجب بھی کرتے کہ کاروباری ترقی کے ایسے اچھے مواقع اور اتنی بے پرواہی! مگر کاروبار کی ترقی کے لئے گھر سے کون نکلتا تھا اور تجارتی مقاصد ہوتے کس سامنے تھے اصل مقصد اُن بوڑھے ماں باپ کی خدمت تھی جنہوں نے بالشت بھر کے لونھڑے کو بڑے بڑے ارمانوں سے جوان کیا تھا۔ یہ مہینہ ڈیڑھ مہینہ کی چھٹی اپنی ذاتی غرض کیلئے ہوتی تھی۔ عصمت کو یا کتب خانہ کو اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچتا تھا بلکہ پانچ چھ ہفتہ کی عدم موجودگی کے سبب آمدنی کم ہوجاتی لیکن خداوند کریم کا فضل شاملِ حال تھا چند ہفتوں کی محنت کے بعد یہ نقصان معلوم نہ ہوتا تھا۔

ایک زبردست سازش

جون ۱۹۳۴ء کی ابتدائی تاریخیں تھیں کہ ایک محترم دوست نے مجھے اطلاع دی کہ میرے دفتر میں ایک زبردست سازش ہوئی ہے اور فلاں شخص کے ذریعہ خریداروں کے پتے چُرائے گئے ہیں اور چار پانچ شخص بلکہ عصمت کے مقابلہ میں ایک زنانہ رسالہ نکال رہے ہیں۔ مجھے جس وقت یہ معلوم ہوا تو عصمت کے مقابلہ میں زنانہ رسالہ جاری ہونے کی تو میں نے مطلق پرواہ نہیں کی کیونکہ کسی شئے کی اصل قیمت اُسی وقت معلوم ہوتی ہے جب اس کے مقابلہ میں اور چیزیں بھی ہوں۔ جس قدر زیادہ زنانہ پرچے ہونگے عصمت کے جوہر اتنے ہی کُھلیں گے اور اتنی ہی اس کی خوبیاں نمایاں ہونگی۔ عصمت کو کسی معاصر کی ترقی کبھی ناگوار نہ گذری۔ تہذیب نسواں سہیلی۔ زیب النسا۔ خاتون بمبئی۔ مستورات۔ مسلمہ۔ مصلح۔ ہمجولی۔ حریم متعدد زنانہ پرچے اسوقت شائع ہو رہے تھے اور اس وقت بھی جاری ہیں لیکن کسی پرچے کی عصمت نے مخالفت نہیں کی بلکہ ان میں سے اکثر پرچوں کی خدمات کا عصمت نے

اعتراف کیا ہے۔ بہت سے زنانہ پرچے اور بھی جاری ہوئے مثلاً عفت برہانپور۔ عفت گڑگانوہ۔ خاتون۔ بانو بیگم۔ زیب النسا چھپرہ۔ پیام اُمید ظل السلطان۔ پردہ نشین النسا۔ خادمہ۔ اُستانی بٹالہ۔ نورجہاں۔ رفیق النسا۔ خاتون مشرق اور حور ان میں سے کئی پرچے کئی کئی سال تک جاری رہے۔ خود دہلی سے اُستانی۔ تبلیغ نسواں۔ عورتوں کا اخبار۔ نسوانی دنیا۔ نسائی۔ عفت وغیرہ نکلے اور اپنی اپنی بہار دکھا کر بند ہو گئے۔ ان میں سے بھی کسی پرچے کے خلاف ڈھونڈھے سے کوئی لفظ اوراق عصمت میں نہ نکلیگا۔ بعض معاصرین نے خواہ مخواہ عصمت سے حسد کیا اور اپنی کامیابی کیلئے اسکے خلاف لکھا مگر عصمت نے ان تحریروں کو کوئی وقعت نہ دی اور ان کی مخالفت عصمت کی شہرت یا اشاعت کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکی۔ ان حالات میں کتنے ہی بڑے پیمانہ پر سہی کسی نئے زنانہ پرچے کے جاری ہونے کی خبر کوئی خاص اہمیت نہ رکھتی تھی۔ خریدار جو سالانہ چندہ دے رہے تھے اس کے معاوضہ میں جو پرچہ انہیں مل رہا تھا وہ مہنگا ہوتا۔ یا خریدار اپنے پرچہ کی خدمات اور روش اور اُصولوں سے اچھی طرح واقف نہ ہوتے یا اڈیٹر ظاہر کی جاتیں عورتیں اور کام کرنیوالے ہوتے مرد یا رسالہ کی تعریف میں عورتوں کے نام فرضی خطوط خود ہی لکھ لکھ کر شائع کئے جاتے یا مشہور لکھنے والوں کے مضامین اِدہر اُدہر سے اُڑا کر اس طرح شائع کئے جاتے گویا خاص طور پر عصمت کیلئے لکھوائے جا رہے تھے یا زنانہ ناموں سے مرد خط وکتابت کرتے الختصر کسی اعتبار سے بھی کوئی دہوکہ یا فریب ہوتا تو بیشک پریشانی ہو سکتی تھی لیکن جب ان میں سے کوئی بات نہ تھی تو ایک نہیں دس زنانہ پرچوں کے جاری ہونے کی خبر بھی کوئی فکر پیدا نہ کر سکتی تھی، البتہ خریداروں کے پتے چرائے جانے کی اطلاع جس قدر تشویشناک تھی اتنی ہی رنج دہ۔ کیوں کہ جن صاحب نے یہ عنایت فرمائی تھی انکو میری ذات سے یا میرے دفتر سے کوئی معقول شکایت نہ ہو سکتی تھی۔ انہوں نے آٹھ برس میرے پاس

کام کیا تھا۔ میرا سلوک ان کے ساتھ اور ان کے ساتھ کیا دفتر کے تمام کارکنوں کیساتھ بھائیوں کا سا رہا۔ سخت کلامی میری عادت نہیں۔ اُجرت یا تنخواہ کی ادائیگی میں میں نے کبھی ایک دن کی بھی تاخیر نہیں کی۔ ہمیشہ وقت مقررہ پر روپیہ دیا۔ اب رہا ترقی کا جذبہ تو بشرطیکہ غیر مستحسن نہ ہو یقیناً حوصلہ افزائی کا حق رکھتا ہے۔ ان صاحب ہی کی نہیں دفتر کے اور کئی صاحبوں کی ترقی کی کوششوں میں میں نے اپنی طرف سے ہر ممکن مدد کی تھی۔ یہ صاحب اگر خود مجھ سے مشورہ لیتے تو میں انکو کوئی بہتر رائے اور مدد دے سکتا تھا مگر انہوں نے جو طریقہ اختیار کیا اس سے بے انتہا رنج ہوا۔ مجھے ان کے اس فعل پر رہ رہ کر تعجب ہو رہا تھا کہ ادھر انکا رسالہ میری نظر سے گذرا اُدھر عصمتی بہنوں کے خطوط آنے شروع ہوئے کہ جس پتہ پر یہ بھیجا گیا ہے وہ پتہ سوائے دفتر عصمت کے اور کسی کو معلوم نہیں ہم چونکہ کسی بہن کا پتہ خواہ وہ کتنی ہی مشہور کیوں نہ ہوں بغیر انکی اجازت کے کسی کو نہیں بتاتے اس لئے بعض بہنوں کو خیال ہوا کہ وہ پرچہ بھی دفتر عصمت کا ہوگا۔ مجھے جہاں اس غلط فہمی کو دُور کرنا تھا وہاں یہ اندیشہ تھا کہ ان پتوں سے ناجائز فائدہ نہ اُٹھایا جائے۔ میں نے اُس ماہ کے دونوں پرچوں عصمت و بنات میں یہ نوٹ دیدیا کہ دفتر عصمت کا اور کسی پرچہ سے کوئی تعلق نہیں۔ دفتر عصمت میں جو پتہ خریداروں کا درج ہے اس پتہ پر اگر کوئی رسالہ انہیں ملے تو وہ ناجائز ذرائع سے حاصل کیا گیا ہے۔ اسلئے کہ یہ لوگ بدنام نہ ہوں اور اسلئے کہ باوجود انکے اس سلوک کے میں اس پرچہ کو کوئی نقصان نہ پہنچانا چاہتا تھا۔ میں نے کسی صاحب کا نام لکھا نہ اس پرچہ کا لیکن اس مضمون پر یہ جماعت میری دشمن ہوگئی۔ مقدمہ بازی کی دھمکیاں دی جانے لگیں دفتر کے کارکنوں کو بہکایا گیا اور کام میں ہرج کیا جانے لگا۔ اگر اس جماعت کی عنایات میری ذات پر ختم ہوجاتیں تو بھی غنیمت تھا مگر ان لوگوں نے حضرت والد مرحوم کی بزرگی شریف النفسی اور ان کے احسانات کا بھی پاس نہ کیا۔ اب میرا ضبط و تحمل کا پیمانہ لبریز ہوگیا تھا۔ میں نے ایک نہایت مفصل مضمون

لکھا اور تمام واقعات بیان کر دئے مگر ابّا جان نے یہ فرما کر اسکی اشاعت کو منع فرما دیا۔

"رازق میاں تم اس رسول کی اُمت ہو جس کے جسم مُبارک پر دشمنوں نے
غلاظت پھینکی اور پتھر برسائے لیکن اس کی زبان نے انہیں بددُعا بھی
نہ دی اور یہ فرمایا الٰہی ان پر رحم کر انہوں نے ابھی مجھے پہچانا نہیں"۔

میں نے شروع میں جو نوٹ لکھا تھا اس سے عصمتی بہنیں اور بناتی بچیاں بڑی حد تک معاملہ کو سمجھ چکی تھیں سان لوگوں نے ہمیں تباہ و برباد کرنے کی کوشش میں اپنی کامیابی کا جو خواب دیکھا تھا گو وہ حقیقت کا لباس نہ پہن سکا لیکن ہمیں بدنام کرنے کی کوششیں جاری تھیں یہاں تک کہ ابّا جان (نور اللہ مرقدہٗ) کی ذات پر شرافت اخلاق اور ایمان سے گرے ہوئے رکیک حملے کئے گئے اور تربیت گاہ کے وجود تک سے انکار کر دیا گیا۔ ابّا جان (خلد آشیاں) کی تصانیف کی مقبولیت اور آمدنی اتنی تھی کہ ہندوستان میں اُن سے پہلے کسی مُسلمان مصنّف کو نصیب نہ ہوئی تھی انہوں نے مدرسہ پر اپنی کتابوں کا روپیہ اپنی بیوی، بہو اور بیٹیوں کا زیور اپنے بیٹے کی گاڑھے پسینے کی کمائی کا کئی کئی ہزار روپیہ سالانہ قربان کر دیا تھا، زندگی کا وہ بیش بہا وقت صرف فرمایا تھا جس میں بآسانی لاکھوں روپیہ کی آمدنی کی مستقل نئی تصانیف لکھ سکتے تھے۔ جس تربیت گاہ کیلئے اس بڑھاپے میں جو آرام کا وقت تھا دور دراز شہروں کے سفر کی تکلیفیں برداشت کیں جسکو دیکھ کر اور مطمئن ہو کر سیسوں خواتین نے بورڈنگ کی حیثیت سے اپنی بچیاں داخل کیں جسکی یتیم و نادار بچیوں کو مولانا محمد علی مرحوم، حکیم اجمل خاں مرحوم، مولوی عبد الماجد دریابادی اور میر جالب جیسے رہنمایانِ قوم گلے لگا کر روئے تھے اور جسکی شاندار اسلامی خدمات کا مشاہیر نے اخبارات میں اعتراف کیا تھا اور جو اُن لوگوں کو بھی جن کا نفس حقیقت پر غالب آچکا تھا روز روشن کی طرح نظر آرہی تھی اسکے وجود تک سے انکار نے حضرت والد مغفور کو کس قدر روحانی صدمہ پہنچایا تھا اس کے تخیّل سے میری رُوح کانپ جاتی ہے۔

یہ داستان جسقدر طویل ہے اُتنی ہی تکلیف دہ جسقدر افسوسناک ہے اُتنی ہی جگر خراش عصمت کی ۲۸ سال کی تاریخ میں یہ سازش نہایت اہم واقعہ تھا اس لئے سرسری طور پر اس کا ذکر کر دینا ضروری تھا۔ اس سلسلہ میں میرا کتنا روپیہ ضائع ہوا کیسی کیسی پریشانیاں اُٹھانی پڑیں اور کسقدر روحانی تکلیفیں پہنچیں۔ اسکی تفصیل بیان کرنے کے لئے پتھر کا کلیجہ چاہیئے جس شریف النفس بزرگ نے انسان تو انسان کبھی کسی جانور تک کو ایذا نہ پہنچائی اس کی عزت و ناموس پر یہ حملہ معمولی بات نہ تھی۔ ایسا دہلا کا بیٹھا کہ گھُلتے چلے گئے اور اسی زمانہ کے کسی مضمون میں غالبؔ کا جو یہ شعر لکھا تھا صحیح ثابت ہوا ؎

دمِ واپسیں برسرِ راہ ہے   عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے

جوہرِ نسواں

محترمہ خاتونِ اکرم جنت مکانی کے دلمیں ترقیٔ عصمت کی جو آرزوئیں تھیں وہ ان کی زندگی میں پوری نہ ہوئیں لیکن ۲۶ء میں یہ خزاں دیدہ چمن پھر سرسبز و شاداب ہوگیا۔ اور انکی یادگار کے طور پر مختلف موضوعات کے بہترین مضامین پر تین چار سو روپیہ کے نقد انعامات ہر سال دیئے جانے لگے اور انکے مضمونوں کے کئی مجموعے بھی شائع ہوگئے عصمت کی ترقی، اور یہ انعامات اور کتابیں انکا نام زندہ رکھنے کو کافی تھیں لیکن میں کسی اخبار یا رسالہ کی صورت میں انکی ایک علیحدہ اور مستقل یادگار قائم کرنے کی فکر میں تھا۔ ۳۳ء میں جب میں نے ایک معقول رقم انکی مستقل یادگار کیلئے محفوظ کرلی تو حضرت والد مغفور پر اپنا خیال ظاہر کیا۔ میرے اس جذبہ کی قدر سوائے انکے اور کوئی نہ کرسکتا تھا۔ بے انتہا خوش ہوئے مگر اب یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ پرچہ کے مقاصد کیا ہوں اور کونسی ضرورت کو پورا کرنے کی ذمہ داری لے۔ غالباً ۳۰ء میں یہ خیال ظاہر فرمایا تھا کہ مسلمانوں کو ایک ایسے زنانہ پرچہ کی ضرورت ہے جو مغربیت کا مقابلہ کرسکے اور مشرقی خوبیوں کو نمایاں کرے،

اسوقت میرے پاس دفتر کی ضروریات کے علاوہ نقد روپیہ اس قدر موجود نہ تھا کہ میں فوراً تعمیل ارشاد کرسکتا۔ اور میرا آج بھی یہی خیال ہے کہ جبتک تین چار ہزار روپیہ نقد محفوظ نہ ہو کوئی ایسا ہفتہ وار یا ماہوار رسالہ جاری کرنا جو مالک یا اڈیٹر کی خودداری کو مجروح کئے بغیر صرف خریداروں کے چندے پر چل سکے عاقبت اندیشی نہیں۔ محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی گو مشرقی جواہرات سے مالا مال تھیں لیکن دورِ جدید کی بیوی تھیں ایک ایسا رسالہ جس کا مقصد صرف قدامت پرستی ہو ان کی یادگار کچھ زیادہ موزوں نہ تھا ایک خیال یہ تھا کہ جس طرح تمدن حقوق نسواں کی حمایت میں جاری ہوا تھا اسی طرح مرحومہ خاتون کی یاد میں جو پرچہ نکلے اس کا سب سے بڑا مقصد حقوقِ نسواں ہو۔ خاتون مرحومہ کی یہ یادگار نہایت موزوں ہو سکتی تھی کیونکہ وہ حقوق نسواں کی حامی وساعی تھیں۔ اپنی بہنوں کے حقوق کی حفاظت وحمایت میں انکے بیشمار مضامین زنانہ ومردانہ رسائل میں شائع ہوکر بہت مقبول ہوئے تھے، ایک دوسرا خیال یہ تھا کہ ایسا زنانہ رسالہ جاری کیا جائے جس کی صرف ایک کوشش ہو اور وہ یہ کہ لڑکیوں کو سلیقہ شعار اور ہنرمند بنائے حضرت والدِ مغفور اپنی مستقل تصانیف اور اپنے رسالوں کے مضامین کے ذریعہ اس کوشش میں بھی کامیاب ہوئے اور اُنھوں نے خواتین میں زنانہ دستکاری کا شوق اس درجہ پیدا کر دیا کہ جب میں نے ۲۹ء سے اس موضوع پر کتابیں شائع کرنی شروع کیں تو چاروں طرف انکی مانگ ہونے لگی اور چار پانچ سال میں مجھے کئی کتابیں صرف زنانہ دستکاری کی شائع کرنی پڑیں جنکی تیاری میں ستر اسی خواتین نے حصہ لیا۔ اب بجائے ایک پرچہ کے دو پرچوں کی ضرورت سامنے تھی اور میں صرف ایک پرچہ جاری کرنے کیلئے تیار تھا آخر حضرت والدِ مغفور نے یہ فیصلہ فرمایا کہ پہلے لڑکیوں کو سگھڑ اور ہنرمند بنا لو پھر ان کے حقوق کیلئے مردانہ رسالہ جاری کرو۔ اس فیصلہ کے مطابق میں دستکاری کے پرچہ کی کامیابی کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے لگا۔ بڑی دقت یہ تھی کہ میں خود زنانہ دستکاریوں سے نابلد تھا اور آمنہ نازلی زیادہ وقت دے نہ

سکتی تھیں۔ مگر تائید غیبی شامل حال ہوئی۔ مشہور دستکار بہن غدیر فاطمہ صاحبہ نے پرچہ کا بار ادارت اُٹھا لینے کا وعدہ فرمایا اور میں نے اپریل ۱۹۳۴ء کے عصمت و بنات میں دستکاری کا پرچہ جاری کرنے کا خیال ظاہر کر کے یہ بھی اعلان کر دیا کہ اگر خواتین کو واقعی اس پرچہ کی ضرورت ہوئی تو پرچہ جلد جاری کر دیا جائے گا۔

اس خیال کی ہر طرف سے تائید ہوئی اور دستکار خواتین کے حوصلہ افزا خطوط موصول ہونے شروع ہو گئے جو نہ صرف خریداری رسالہ کی درخواستیں تھیں بلکہ جن میں اس بات پر بھی زور دیا گیا تھا کہ جلد سے جلد یہ رسالہ جاری کیا جائے۔

ستمبر ۱۹۳۴ء میں جوہر نسواں کا پہلا پرچہ شائع ہوا اور دستکار خواتین میں اسکی دھوم مچ گئی اور انہوں نے محسوس فرمایا کہ ایسے رسالہ کی ہندوستانی بیبیوں کو واقعی اشد ضرورت تھی۔ پرچہ کی مقبولیت روز بروز بڑھتی گئی اور کوئی دن ایسا نہ جاتا کہ اسکی تعریف میں خطوط نہ آتے۔ جہاں یہ ہو رہا تھا وہاں دفتر عصمت سے بنے اُڑانیوالے اسکی مخالفت کر رہے تھے اسکے علاوہ زنانہ پرچوں نے بھی جوہر نسواں کے متعلق کچھ لکھنا پسند نہ کیا۔ باینہمہ جوہر نسواں کو پہلے ہی سال میں وہ کامیابی حاصل ہو گئی جو اس سے پہلے عصمت سمیت کسی زنانہ پرچہ کو پہلے سال میں میسر نہ ہوئی تھی۔ ستمبر ۱۹۳۵ء میں جب دوسرا سال شروع ہوا ہے تو اس کے مستقل خریدار ڈیڑھ ہزار کے قریب تھے۔ جوہر نسواں پر جو روپیہ صرف ہوا تھا اور جو محنت کی گئی تھی اسکے مقابلہ میں تو یہ اشاعت کچھ زیادہ نہ تھی لیکن اُردو کے اچھے رسائل کی عام حالت پیش نظر رکھ کر خریداروں کی یہ تعداد کافی حوصلہ افزا تھی۔ خاتون جنت مکانی کی یادگار قائم کرنے کے ساتھ ساتھ اس رسالہ سے مقصد یہ تھا کہ ہندوستانی لڑکیاں دستکار، ہنرمند اور سلیقہ شعار بن جائیں وہ اگر دولتمند ہیں تو اوقات فرصت میں بجائے فضولیات میں پڑنے کے دستکاری سے اپنا دل بہلائیں اور اگر غریب اور کم استطاعت ہیں تو خودداری اور عزت کے ساتھ اپنی مالی دقتوں کو دور کر سکیں۔ جوہر نسواں کو اپنے اس مقصد میں کہانتک کامیابی ہوئی اس کا

اندازہ اُن خطوط سے کیا جا سکتا ہے جو شائع ہو چکے ہیں۔

سنہ ۳۵ء

عصمت کے اس چوتھے دَور میں سنہ ۳۵ء اس لحاظ سے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے
کہ یہ سال اکثر اعتبار سے عصمت کا سب سے زیادہ کامیاب سال ہونے کے باوجود بدترین سال تھا
عصمت نے اپنی مشکلات اور پریشانیوں کا خریداروں پر اظہار کرنا کبھی پسند نہیں کیا اور جو جو
بپتا پڑی خاموشی کیساتھ انگیز کرتا رہا۔ لیکن گذشتہ سال جب ایک محدود تعداد میں ان خواتین
و حضرات کیلئے جن کے مطالعہ سے گذرنے کا عصمت کو سالہا سال سے فخر حاصل ہے
کتابوں کی قیمتوں میں ایک خاص رعایت کیگئی تو اس موقعہ پر عصمت کی آمدنی و خرچ کی
مختصر کیفیت بیان کیگئی تھی اس کا ایک حصہ یہ ہے۔

"رسالہ عصمت ہندوستان کے اُن گنتی کے چند رسائل میں سے ہے جنکی آمدنی باوجود
کثیر اخراجات کے صرف خریداروں کا سالانہ چندہ ہے۔ جھوٹی تعریفیں، قصیدہ گوئی
مدح سرائی چونکہ عصمت کا مسلک نہیں۔ اسلئے رئیسوں اور دولتمند حضرات کی مالی
اعانت سے عصمت محروم ہے۔ بلیک میلنگ یعنی شریف اور مالدار لوگوں کو ڈرا
دھمکا کر روپیہ وصول کرنے کا ہلکے سے ہلکا دھبہ دامنِ عصمت پر نہیں سرکاری یا نیم
سرکاری مالی امداد حاصل کرنیکی طرف عصمت نے کبھی توجہ نہیں کی۔ اشتہارات کی نہایت
معقول آمدنی سے بھی عصمت اسلئے محروم ہے کہ صرف وہی اشتہارات درج کئے جاتے
ہیں جنمیں نام کو بھی کوئی لفظ مشرقی حیا و تہذیب کے خلاف اور کنواری بچیوں کیلئے غیر
موزوں نہ ہو اور جن اشتہارات میں دھوکہ اور فریب نہ معلوم ہو۔ عصمت کا کوئی نقد
بھی نہیں۔ عام بازاری کتابیں جنکی فروخت سے معقول کمیشن ہر ماہ ملسکتا ہے عصمت
وہ بھی فروخت نہیں کرتا۔ نہ رسالہ ایجنٹوں کے ذریعہ عام طور پر کیا جاتا ہے۔ الغرض
عصمت کی آمدنی صرف خریداروں کا سالانہ چندہ ہے۔ قسم دوم کا چندہ ۳ روپے ہے مگر

دو دو سال سے صرف تین روپیہ لئے جا رہے ہیں ۳ خرچ وی پی ۳ محصول ڈاک اور سالگرہ نمبر کی لاگت نکال کر ۳ دس پرچے یعنی ماہوار رسالہ پونے تین آنے میں دیا جا رہا ہے وہ رسالہ جس میں مضامین کے کم سے کم ۸۰ صفحے ہوتے ہیں جنہیں بعض صفحے باریک لکھوا کر قریباً ۱۰۰ صفحوں کے بہتر سے بہتر اور اعلیٰ سے اعلیٰ مضامین دیے جاتے ہیں اور ہر مضمون کم سے کم جگہ میں درج کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور مضامین بھی وہ ہوتے ہیں جن پر قریباً ڈیڑھ ہزار روپیہ سالانہ معاوضہ یا انعامات کی صورت میں دیا جاتا ہے۔ پھر پرچہ کی وضعداری قائم رکھنے کیلئے چھوٹے موٹے اور بھی بہت سے اخراجات ہیں جن سے عام پرچے قطعی محفوظ ہیں۔ یہ بھی ایک ہزار روپیہ سالانہ کا خرچ ہے عصمت کو ۱۹۲۸ء تک بیس سال میں ۲۵ ہزار روپیہ کا نقصان پہلے ہو چکا ہے گذشتہ دو سال میں محصول ڈاک بڑھ جانے اور قسم دوم کے چندہ میں ۸ کم کر دینے کی وجہ سے عصمت کو پھر کئی ہزار روپیہ کا زیر بار ہونا پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی نہایت اہم اور بے حد ضروری اور مفید کتابیں اس وقت تک شائع نہ ہو سکیں"۔

سطور مندرجہ بالا کے مطالعہ کے بعد یہ حقیقت ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ عصمت کی آمدنی صرف خریداروں کا سالانہ چندہ ہے۔ آمدنی کے دوسرے ذرائع جو عام طور پر اردو پرچوں کو میسر ہیں عصمت ان سب سے محروم ہے۔ ۱۹۳۲ء میں خریداروں کے چندہ سے رسالہ کی تمام ضروریات بخوبی پوری ہو رہی بلکہ کچھ پس انداز بھی ہو رہا تھا مگر ۱۹۳۳ء سے باوجود ترقی اشاعت کے پرچہ پھر زیر بار ہونے لگا۔ تربیت گاہ کیلئے عصمت بکڈپو سے حضرت والد مغفور ہر سال ایک معقول رقم لے رہے تھے لیکن آخری تین سال میں خرابی صحت کی بنا پر وہ دورہ پر تشریف نہ لے جا سکے اور مدرسہ کے اخراجات ایک بڑی حد تک انکی تصانیف اور انکے رسالوں کی آمدنی سے پورے کئے گئے۔ ایک دوسرا سبب مالی دقتوں میں اضافہ ہو جانے کا یہ ہوا کہ ادھر تو محصول ڈاک بڑھ جانے کی وجہ سے ٹکٹوں کا خرچ بہت زیادہ ہو گیا تھا ادھر قسم دوم کا چندہ جس کے خریدار دو

تہائی سے بھی زیادہ تھے ساڑھے تین روپیہ سے تین روپیہ کر دیا گیا تھا۔ تیسری پریشانی تھی دفتر میں چوری اور منظم سازش۔ المختصر ان تین سال میں عصمت کم وبیش دس ہزار روپیہ کا پھر زیر بار ہو گیا۔ مئی ۳۵ء میں کتب خانہ کی ایک غیر معمولی رعایت اور مطبوعاتِ عصمت کی قدردان خواتین وحضرات کی توجہ سے گو اس نقصان کی تھوڑی سی تلافی ہو گئی تھی تاہم آیندہ تین روپیہ سالانہ چندے مع محصولڈاک وغیرہ میں معمولی کاغذ کا رسالہ شائع کرنے سے عصمت اپنی شان قایم نہ رکھ سکتا تھا لیکن قسم اوّل کا چندہ گھٹانے سے بھی نقصان ہوتا تھا مگر یہ نقصان اتنا نہ تھا جتنا پہلی صورت میں اس لئے دسمبر ۳۵ء سے قسم دوم بند کر کے قسم اوّل کا چندہ بجائے پانچ روپیہ کے صرف چار روپیہ کر دیا گیا۔ اسوقت یہ اندیشہ بھی تھا کہ جو خریدار پہلے تین روپیہ دے رہے تھے انہیں کچھ ایسے بھی ہوں گے جو شاید ایک روپیہ زیادہ نہ دے سکیں اور اسلئے اشاعت کچھ کم ہو جائے لیکن اس صورت میں مالی نقصان اسقدر نہ ہوتا تھا جتنا پہلے ہو رہا تھا مالی نقصانات کے علاوہ عصمت کی خصوصیات قایم رکھنے کیلئے اور بہت سی پریشانیوں کا بھی مقابلہ کرنا پڑا۔ ان نقصانات اور روحانی تکالیف کے لحاظ سے ۳۵ء عصمت کا بدترین سال تھا لیکن باایں ہمہ بعض اعتبار سے عصمت کا یہ سال نہایت کامیاب تھا مضامین کا معیار پہلے سے بھی بلند ہو گیا تھا اور بعض اہم نسوانی مسائل پر مضامین نہایت گرانقدر شائع ہوئے تھے اور ہر ماہ بعض صفحے باریک لکھوا کر کم وبیش سو صفحوں (اور کتابی سائز کے ڈیڑھ سو صفحوں) کے مضامین دئے جا رہے تھے اسقدر میٹر ہندوستان کے کسی زنانہ پرچے نے کسی سال نہ دیا تھا۔ حسب معمول سال کے کسی ماہ کے پرچہ کی اشاعت میں ایکدن کی بھی دیر نہ ہوئی۔ کسی ماہ کا پرچہ پانچ ہزار سے کم نہ چھپا۔ گویا رسالہ کی اشاعت ہندوستان کے تین زنانہ ماہوار رسالوں کے خریداروں کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ تھی۔ روپیہ روپیہ آٹھ آٹھ آنہ سالانہ چندہ کے رسالوں کا ذکر نہیں کسی خوبصورت بلند معیار ضخیم رسالہ کی جو نہ گورنمنٹ معقول تعداد میں خریدتی ہو نہ کوئی ریاست۔ جبکہ چند پرچے بھی کسی کانفرنس یا انجمن نے بطور

اور دولتمند خواتین نے اپنی طرف سے نادار اور کم استطاعت غریب عورتوں کے نام جاری کئے ہوں اور جو مردانہ رسالوں کیطرح بازاروں میں ایجنٹوں کے ذریعہ بھی فروخت نہ ہوتا ہو غرض جو خواتین و حضرات مستقل خریدار ہیں انکے سالانہ چندہ کے علاوہ جسکی اشاعت کی اور کوئی صورت نام کو بھی نہ ہو ایسے رسالہ کی ہندوستان جیسے ملک میں پانچہزار مستقل اشاعت انتہائی ترقی ہے۔ لیکن حضرت علامہ راشد الخیری نور اللہ مرقدہٗ کا یہی پرچہ اگر کسی ترقی یافتہ ملک سے شائع ہوتا جہاں خواتین کو اپنی ضرورتوں کا پوری طرح احساس ہے تو اسکی اشاعت بجائے پانچہزار کے پانچ لاکھ ہوتی اور ۲۷ سال گذرجانیکے بعد کئی لاکھ روپیہ اسکی ملکیت ہوتا مگر یہ غریب پرچہ ایک جاہل ملک اور مردہ قوم اور بیکس طبقہ کا پرچہ ہے کہ ۲۷ سال میں ۲۷ ہزار کی ڈیڑھ گنی رقم سے زیادہ اسکی نذر ہو چکنے کے بعد بھی اس کی مالی حالت اچھی نہ ہوسکی۔

جو خواتین گذشتہ چودہ سال سے رسالہ کی خریدار ہیں انہوں نے اوراقِ عصمت پر میری کوئی ایسی تحریر نہ دیکھی ہوگی جسمیں عصمت کی مالی مشکلات کا رونا رویا گیا ہو یا میری اُن پریشانیوں پر جو عصمت ہی سے تعلق رکھتی تھیں متوجہ کرنے کیلئے انکو کسی قسم کی تکلیف دی گئی ہو لیکن اس داستان میں میرے قلم سے ایسے فقرے نکل گئے ہیں جن سے عصمت کی ساکھ میں کچھ فرق آرہا ہے اور جن سے عصمت کی سچی قدردان بہنوں کو روحانی تکلیف پہنچی ہوگی۔ مجھے جہاں اس کا احساس ہو رہا ہے وہیں میں یہ بھی محسوس کر رہا ہوں کہ میں نے بعض ایسی باتیں بھی لکھ دی ہیں جن کا کاروباری نقطۂ نظر سے یا تجارتی اُصول سے ظاہر کرنا مناسب نہ تھا۔ ہر کام کرنیوالے کے چند راز ہوتے ہیں جنکا راز ہی میں رہنا زیادہ سودمند اور جنکا ظاہر کردینا خلاف مصلحت ہے۔ حضرت والد مغفور کی سرپرستی اور میرے زمانۂ ادارت کے چودہ برس میں عصمت نے طبقۂ نسواں اور ادب اُردو کی جو بُری بھلی خدمات انجام دیں اور مجھے اس طویل مدت میں جن جن موقعوں پر جو جو پریشانیاں اور دقتیں اُٹھانی پڑیں میں نے کبھی عصمت میں انکی تفصیل بیان نہیں کی اور اس موقعہ پر بھی مختصر طور پر وہی واقعات

قلمبند کئے ہیں جنہیں نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس یادداشت میں مجھے اس سے بھی انکار نہیں کہ باوجود انتہائی احتیاط کے ایسے فقرے قلم سے نکل گئے ہیں جن سے خودنمائی کا پہلو نکل رہا ہے۔ میں یہ بھی اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ میری بے فکری شان و اطمینان کا زمانہ اباجان (خلد آشیاں) کی آنکھ بند ہوتے ہی ختم ہوگیا اور جن اُصولوں پر میں ان کے زیرسایہ کام کررہا تھا عصمت ہی کی بہتری کیلئے مستقبل میں شاید مجھے ان میں سے بعض اُصول بدلنے پڑیں۔ یہ سب کچھ سمجھنے اور ان تمام باتوں کا اچھی طرح احساس ہونے کے باوجود جو کچھ میں نے لکھا ہے میری رائے میں مجھے لکھدینا چاہیئے تھا۔ ماضی کی یہ یادداشت عصمت کی اٹھائیس ۲۸ سال کی تاریخ ہے۔ جسے قلمبند کرتے وقت رسالہ کے اطمینان اور پریشانی کے کامیابی اور ناکامی کے عروج و زوال کے ہر دَور کے اور ہر زمانہ کے بُرے بھی اور بھلے بھی ہر قسم کے واقعات بیان کردینے ضروری تھے تاکہ عصمتی بہنوں کو صحیح اندازہ ہوسکے کہ حضرت علامہ راشد الخیری نوراللہ مرقدہٗ نے کس طرح خونِ جگر سے سینچ کر ننھے سے بیج کو شجر بارآور کیا اور شریف ہندوستانی بیبیوں کے لئے کس استقلال و استقامت سے کس خاموشی کیساتھ کیسے کیسے مالی نقصانات اور کیسی کیسی رُوحانی تکالیف اُٹھاتے رہے۔

یہ اُنہیں کی برکت تھی، اُنہیں کی نیت کا پھل، اُنہیں کے ایثار اور قربانیوں کا نتیجہ اور اُنہیں کی سحرنگاری اور دردمندی کا صلہ کہ اس شاندار چھ تھے دَور میں عصمت نے قابلِ رشک کامیابی حاصل کرلی تھی۔ آہ مجھے کیا انہیں بھی خبر نہ تھی کہ عصمت کو معراجِ کمال پر پہنچا کر انکا بابرکت سایہ اُٹھ رہا تھا عصمت کا یہ زرّیں دَور جو ۱۹۲۶ء کی جنوری سے شروع ہوا تھا ۱۹۳۵ء کے دسمبر کیساتھ ختم ہوگیا۔ بخار پندرہ روز سے آرہا تھا مگر دسمبر کے دوسرے ہفتہ سے علالت نے خطرناک صورت اختیار کرنی شروع کی تو کس کا دفتر اور کہاں کا رسالہ سب کچھ بھول بسر میں ہمہ تن ان کی تیمارداری میں مصروف ہوگیا۔

پانچواں دور

جنوری اور فروری ۱۹۳۶ء کے پرچے جن سے عصمت میں نئی نئی دلچسپیاں شروع کرنے کی تیاریاں کی جارہی تھیں جس پریشانی کے عالم میں شائع کئے گئے تھے کیا خبر تھی کہ اس سے پانچویں دور کا آغاز ہو رہا تھا ۲ فروری کی منحوس صبح نے خواتین ہند کے محسن اعظم، رہبر اعظم، مصلح اعظم کو ہمیشہ کیلئے جدا کر کے چمن عصمت کی ساری بہار لوٹ لی، اس اٹھائیس سال میں کیسی کیسی پریشانیوں، کیسے کیسے نقصانات کا عصمت کو مقابلہ کرنا پڑا مگر یہ عصمت کا وہ نقصان ہے جس سے زیادہ کوئی نقصان پہلے ہوا تھا اور نہ آیندہ ہوگا! کہنے کو پچھلے چودہ سال سے عصمت کا تمام کام میں ہی کر رہا تھا اور اب بھی میں ہی کر رہا ہوں مگر جب ہمت بلند تھی حوصلے بڑھے ہوئے، کمر مضبوط اور دل قوی، مگر اس انقلاب عظیم نے امیدوں پر پانی پھیر دیا! آرزوئیں خاک میں ملادیں، دل ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کلیجہ پاش پاش! پہلے اگر کبھی کام کی کثرت سے طبیعت اکتا جاتی یا مالی پریشانیوں سے دل گھبرا جاتا تھا یا کبھی پرچہ کی خصوصیات اور شان قایم رکھنے کیلئے مشکلات کا سامنا ہوتا تھا تو وہ شفقت بھری میں ڈوبی ہوئی نظریں، وہ معنی خیز خاموش مسکراہٹ ساری کوفت اور پریشانی ایک لمحہ میں دور کر دیتی تھی۔ اب ہر صبح پیام آلام اپنے ساتھ لائے، اور ہر شام ہجوم افکار میں مبتلا چھوڑ کر رخصت ہو۔ انکی میٹھی نیند دائمی نیند ابدی نیند میں کوئی چیز خلل انداز نہ ہوگی، اب حوادث کی آندھیاں چلیں، طوفان اٹھیں، بجلیاں گریں، عصمت کے گلزار خزاں زدہ میں آبیاری کا نہیں کچھ فکر نہیں۔ آہ علالت سے چند ماہ قبل کسی مضمون کے دوران میں جب یہ تحریر فرمایا تھا کہ "موت سر پر منڈلا رہی ہے" تو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ قضا قلم سے یہ الفاظ ادا کرا رہی تھی اور سرائے دنیا کے بظاہر ہشاش بشاش اور شاداں و خنداں مگر حقیقتاً تھکے ماندے مسافر کا چند روز اور قیام تھا۔ اور وہ نورانی صورت، وہ مقدس وجود، وہ بابرکت ہستی دنیا سے مٹ رہی اور وہ مبارک سایہ

عصمت کے سر سے اُٹھ رہا تھا! وہ جو عورت کی ذلّت و خواری پر ساری عمر خون کے آنسو بہاتے رہے، جو اس کے حقوق کی حفاظت اور حمایت کیلئے آخر وقت تک لڑتے لڑتے رخصت ہو گئے جو اسے لونڈی سے بیگم اور کنیز سے ملکہ بنا اور مسلمانوں کو رسول عربی کا بتایا ہوا راستہ دکھا کر پردۂ دنیا سے چھپ گئے۔ وہ جو خزانۂ اردو میں دُغد غاتے اور جگمگاتے جواہرات کا اضافہ کر گئے۔ جوہر انسانی حیثیت میں دیکھنے والی آنکھوں کو قرنِ اولیٰ کے مسلمانوں کا نمونہ دکھا گئے۔ اور وہ جو حیاتِ انسانی کے دردناک پہلوؤں کی تصویریں کھینچ کھینچ کر ایک عالم کو رولا رہے تھے آج ایک دُنیا ان کی مفارقت ابدی پر خراجِ اشک ادا کر رہی ہے۔ ان کے اُٹھتے ہی چمنِ عصمت سے موسمِ بہار رخصت ہو گیا۔ اور خزاں نے ڈیرے ڈال دئے۔ مسرت کے پھول کِھلنے کا وقت گیا! یہ آنسوں کے بیج بونے کی فصل ہے!

آہ! دل کے ہرے بھرے باغ پر خزاں چھا گئی جہاں نئی نئی کونپلیں پھوٹتی اور رنگ برنگ کی کلیاں چٹکتی رہتی تھیں۔ اب وہاں پتی پتی زرد ہے، اور ڈالی ڈالی سوکھی اور کھرٹنک! وہ سبزہ رہا نہ اس کی لہک، وہ تراوٹ رہی نہ بھینی بھینی خوشبو! رخصت بہار کے ساتھ ساتھ وہ چہل پہل اور رونق سب ختم ہو گئی۔ عصمت کی سالگرہ دھوم دھام اور سج دھج کے ساتھ جن کی خوشی کیلئے منائی جاتی تھی، آہ ان کا مبارک سایہ اُٹھ گیا اب کس کے لئے خوشی منائی جائے! مئی جون کی قیامت خیز گرمی میں بارہ بارہ چودہ چودہ گھنٹے روزانہ محنت کا صلہ جس زبان کے حوصلہ افزا الفاظ سے ملتا رہتا تھا اور دن بھر کی کُلفت شفقت و محبت میں ڈوبی ہوئی جو نظریں یک لخت دُور کر دیتی تھیں کسی قیمت اور کسی قربانی پر بھی اب میسّر نہیں آسکتیں! ترقی عصمت پر وہ خوش ہونے والے نہ رہے نہ اس مسرّت کا لُطف اُٹھانے والے جذبات وہ حالات رہے نہ دل پھر اب عصمت کی سالگرہ، کی تیاریاں کون سے دل سے کی جائیں۔ نغمۂ مسرت

بزمِ ماتم میں نہیں ہنسی خوشی کی محفلوں میں موزوں ہے۔ بلبل و طوطی کی سُریلی تانیں گلشنِ پُر بہار میں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ کوئل کی دلکش صدا آموں کے جھنڈ میں ہی بہار دیتی ہے! لیکن جہاں قصرِ اُمید ڈھنڈار اور اُجاڑ ہو گیا ہو وہاں حسّاس دل کیلئے فاختہ کی کوکو ہی لذّتِ درد پیدا کرتی اور حسرت بھرے چند آنسو زندگی کے مسلسل قہقہوں کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں!

ابّا جان کی دائمی جُدائی میرے لئے گرویدگی اور فریفتگی کے اُس مجسمہ اور محبّت اور عشق کے اس دیوتا کا فراقِ ابدی ہے جس کی شفقت خدائی جلوے دکھا اور جسکی انسانیت ہادیٔ برحق کے احکام کی تفسیر کر رہی تھی! آہ موت نے کیسی شاندار کیسی کامیاب اور کتنی محبوب اور پیاری زندگی کا خاتمہ کر دیا! اب اُن کو رودوں یا اپنی دل کی بستی اُجڑنے پر آنسو بہاؤں اپنی بہنوں کی خدمت سے غافل نہ ہوں یا خانگی ذمّہ داریوں کا بوجھ سنبھالوں۔ دل' جو دیکھنے کو کسی طرح تیار نہ ہوتا تھا' آنکھوں نے وہ دکھا دیا۔ اب اس کے بعد بھی اگر کچھ پڑنی ہے تو وہ بھی پڑجائیگی مگر عصمت پیارے ابّا جان کی پیاری نشانی ہر حالت میں سینہ سے چمٹی رہیگی اور اگر یہ صحیح ہے کہ بعد الموت بھی دُنیا سے رُوح کو کچھ تعلق رہتا ہے تو ابّا جان کی پاک رُوح دیکھ رہی ہوگی کہ اس شش ماہی میں بھی جس میں ہر طلوع ہونے والا آفتاب میرا کلیجہ توڑ دیتا اور ہر نمودار ہونے والا چاند میرے دل کے ٹکڑے اُڑا دیتا ہے۔ میں نے کس طرح ان کے رسالہ کو اس کی تمام ممتاز خصوصیات کے ساتھ شائع کیا ہے!

جب وہ تشریف رکھتے تھے تو کیا بتاؤں عصمت کا مستقبل مجھے کس قدر شاندار نظر آتا تھا مگر ماضی کی پوری تاریخ سُنانے کے بعد اپنی قابلیت اپنی استطاعت اپنی کمزوریوں اپنے حالات اور اپنی کیفیت پر نظر ڈالکر سمجھ میں نہیں آتا عصمت کے

مستقبل کے متعلق کیا رائے قایم کروں۔ عصمت نے اٹھائیس سال کس طرح گذارے ہیں یہ داستان میں نے سُنا دی اب آیندہ کیا ہوگا اس کا علم صرف خدائے بہتر و برتر کو ہے۔ البتہ میری دلی آرزو بس اب یہ ہے کہ زندگی کے بہترین چودہ سال ذمہ دارانہ حیثیت سے جس پرچہ پر آباجان کے سامنے صرف ہوگئے عمر کی باقی گھڑیاں بھی اسی خدمت میں بسر ہو جائیں اور یہ پرچہ جو چند ماہ پہلے انکی سرپرستی کی دولت بے بہا سے مالامال تھا اور اب ان کا مبارک سایہ اُٹھنے کے بعد ان کی یادگار ہے۔ اپنے فرائض کی ادائگی میں سرگرم عمل رہ کر اس پاک رُوح کی خوشنودی اُس وقت حاصل کرتا رہے جب تک اس کا ایک قدردان بھی باقی ہے۔

۱۶ر جون ۳۶ء

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری رح کی تصانیف

تاریخ وسیرت

- آمنہ کا لال — عہ ر
- سیدہ کا لال — ۱۲ر
- الزہرا — عہ ر
- نوبت پنج روزہ۔ باتصویر — ۸ر
- دلی کی آخری بہار — عہ ر
- وداع خاتون — ۵ر
- امین کا دم واپسیں — ۴ر
- بزم رفتگاں — ۱۰ر
- داستان پارینہ ۔ باتصویر — ۱۲ر

اصلاحی ومعاشرتی ناول

- حیات صالحہ — ۸ر
- منازل السائرہ مکمل — ۵ر
- صبح زندگی — ۸ر
- شام زندگی — عہ ر
- شب زندگی دو حصے — ۵ر
- نوحۂ زندگی — ۱۲ر
- طوفان حیات — عہ ر
- جوہر قدامت — ۸ر

مختصر افسانوں کے مجموعے

- جوہر عصمت — ۸ر
- سیلاب اشک — عہ ر
- طوفان اشک — عہ ر
- خدائی راج — عہ ر
- نسوانی زندگی — ۸ر
- گلدستۂ عید — ۸ر
- گرداب حیات — عہ ر
- یساطیات — ۶ر
- حور اور انسان — ۱۲ر
- نشیب وفراز — ۴ر

مذہبی مضامین

- احکام نسواں — عہ ر
- محسن حقیقی — ۶ر
- دعائیں — ۸ر
- قرآنی قصے — عہ ر
- زیور اسلام — عہ ر

اصلاحی معاشرتی افسانے

- بنت الوقت — ۸ر
- سراب مغرب — ۸ر
- فسانۂ سعید — ۸ر
- سودائے نقد — ۵ر
- تمغۂ شیطانی — ۱۲ر
- سات روحوں کے اعمالنامے — ۸ر
- غدر کی ماری شہزادیاں — ۱۲ر
- ستونتی — ۷ر
- موؤدہ — ۷ر
- تفسیر عصمت — ۵ر
- انگوٹھی کا راز — ۶ر
- منازل ترقی — ۴ر
- بچے کا کرتہ — ۴ر
- ویدیا کی سرگذشت — ۴ر
- چہار عالم — ۴ر

ادب لطیف اور انشاء

- قلب حزیں — ۸ر
- مسلی ہوئی پتیاں — ۶ر

نظموں کے مجموعے

- رودادِ قفس — ۱۲ر
- گرفتار قفس — ۴ر

(محصول ڈاک ذمہ خریدار)

سیاسی صحافی سیاحی مضامین

- شہید مغرب — عہ ر
- یادگار لندن — ۶ر
- عالم نسواں — ۸ر
- سیاحت ہند — ۳ر

اسلامی تاریخ لطرز ناول

- عروس کربلا — ۸ر
- یاسمین شام — ۸ر
- محبوبۂ خداوند — ۱۲ر
- تیغ کمال — عہ ر
- شہنشاہ کا فیصلہ — ۴ر
- منظر اطلس — ۵ر
- درشہوار — ۸ر

مذاحیہ افسانے

- نانی عشو — ۱۰ر
- ولایتی نہی — ۶ر
- دادا لال بجکڑ — ۸ر

مضامین کے متفرق جدید مجموعے

- عروس مشرق — ۱۰ر
- لنڈری میں لعل — ۸ر
- مسلمان عورت کے حقوق — ۱۲ر
- نالۂ زار — ۱۰ر
- بلبل بیمار — ۹ر
- ساجن موہنی — ۴ر
- شادی کا انتخاب — ۸ر
- فریب ہستی — ۶ر
- بے فکری کا آخری دن — ۴ر
- چمنستان مغرب — عہ ر
- بکھری ہوئی پتیاں — ۸ر

ملنے کا پتہ: عصمت بکڈپو دہلی